ISSN 2320-8600

اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر 2022

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے — اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو العزیز المجیب ولی النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : ربیع الاوّل — جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ

ماہ : اکتوبر — دسمبر ۲۰۲۲ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۲ ✦ شمارہ نمبر ۴

زرتعاون

فی شمارہ	:	50/- روپے
سالانہ	:	200/- روپے
سادہ ڈاک	:	250/- روپے
رجسٹری ڈاک	:	400/- روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	500/- روپے
دیگر ممالک	:	25/-$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

منیجر "المجیب" دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, Cell No. : +91-7250433562, 7903953313

دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ

فہرست مضامین

• **لمعات**	ظفر حسنین	۳

مضامین و مقالات

• عید میلاد النبی ﷺ کتاب وسنت اور علمائے سلف......	جناب حضور مولانا شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی	۶
• سد ذرائع — ایک اہم اصول	مولانا شاہ بدر احمد مجیبی	۲۱
• قرآن کریم کے نصوص کی غلط تفہیم کا ازالہ	مولانا شاہ عبد الغنی محمد عطیف قادری بدایونی	۳۳
• صحابۂ کرام اور حدیث کی سماعت و روایت	حکیم سید احمد اللہ ندوی	۵۳
• بہار میں علم حدیث کے چند نادر کتب خانے............	مولانا طلحہ نعمت ندوی	۶۳
• فہم اذان سرمایۂ ایمان	سید محمد نیر رضوی	۷۱
• معرفت السلوک تعلیمات صوفیا کا ایک اہم ماخذ	امیر عباس خان عامر نوی	۸۳

ادبیات

• قند پارسی	حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ	۸۸
• نعت شریف: حضرت قمر طلعتؒ — منظوم ترجمہ	مولانا محمد عاصم قادری	۹۰
• غزل	وارث ریاضی	۹۲
• خانقاہ مجیبیہ کے کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت	ڈاکٹر قاضی عبد الوارث	۹۳
• **کوائف و حالات**	ادارہ	۹۴

لمعات

• ظفر حسنین

ہندوستان کی سرزمین مختلف مذاہب کی گہوارہ ہے۔اس کی مٹی میں محبت وشفقت،رحم دلی وخیر خواہی کا جذبہ نمایاں ہے، تمام مذاہب کے ماننے والے یہاں رہتے ہیں۔جن میں سناتن دھرم، جین دھرم، بدھ مت، اسلام،عیسائیت،سکھ دھرم، پارسی مذہب،لنگایت،قبائلی وآدیباسی ہیں۔ یہ سب صدیوں سے محبت اورایک دوسرے کی ہمدردی کے ساتھ سکون واطمنان سے رہتے آئے ہیں۔ان سب کی الگ الگ تہذیبیں ہیں،الگ الگ رسم ورواج ہیں۔شادی بیاہ،خوشی وغمی کے الگ الگ طریقے ہیں۔ یہ سب ایک چمن کے رنگ برنگے پھولوں کی طرح ہیں جس سے چمن کی خوبصورتی بڑھ جاتی ہے اور دلکشی و دلفریبی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اس کو گنگا جمنی تہذیب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسی لئے آئین ہند کے معماروں نے مختلف تہذیب وتمدن اور رسم ورواج کے پیش نظر سب کے لئے یکساں پرسنل قانون نہیں بنایا، بلکہ مختلف مذہب کے ماننے والوں کو اپنے پرسنل قانون پر عمل کرنے کا پورا اختیار دیا ہے،وہ اپنے اپنے پرسنل قانون پر عمل بھی کرتے ہیں۔اسی طرح مسلمانوں کو بھی آئین ہند سے اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کا پورا اختیار ملا ہے۔

مگر ایک مدت سے فرقہ پرستوں کو مسلم پرسنل لاء سے شدید تکلیف ہے۔وہ ہمیشہ اس کو ختم کر کے سب کے لئے یکساں سول قانون بنانے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔معلوم نہیں ان نفرت کے پجاریوں کو اس سے کیا دشواری ہے؟ تمام مذہب والوں کے اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے سے ان لوگوں کو کیوں پریشانی ہوتی ہے؟ مسلمانوں، عیسائیوں، آدیباسیوں اور دیگر مذہب کے ماننے والوں کو اپنی تہذیب اور اپنے رسم ورواج پر عمل کرنے سے روک کر انہیں کیا حاصل ہوگا؟ یہ سمجھ سے باہر ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کی بے بنیاد مخالفت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جب سے موجودہ حکومت اقتدار میں آئی ہے یہ مطالبہ بڑھ گیا ہے اور اس میں تیزی آنے لگی ہے۔اس کے لیڈر وقفہ وقفہ سے اپنے بیانات میں یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرتے نظر آرہے ہیں۔ پارلیامنٹ میں اپنی کثرت کے بل بوتے پر متعدد معاملات

میں مسلم مخالف بل پاس کرنے کے بعد اب یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش شروع ہوگئی ہے۔

چنانچہ پچھلے ایک مہینے کے اندر گجرات سمیت بی جے پی کے زیر اقتدار کئی ریاستوں نے اپنے یہاں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کا اعلان کیا ہے اور اعلان کے مطابق اس کی تیاری بھی شروع کر دی ہے۔ یہ بھاجپائی ریاستوں کا حال ہے۔ مرکز میں کیا تیاری ہو رہی ہے اس کو جاننے کے لئے یکم دسمبر کے اخبارات پر نگاہ ڈالیں۔ تمام اخبارات میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے متعلق راجناتھ سنگھ کا درج ذیل بیان موجود ہے۔

مرکزی وزیر دفاع اور بی جے پی کے ممتاز لیڈر راجناتھ سنگھ نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ پورے ملک میں یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ جو ریاستیں یکساں سول کوڈ نافذ کر رہی ہیں وہ مبارکباد کی مستحق ہیں اور باقی ریاستوں کو بھی اس پر غور کرنا چاہئے۔ وزیر دفاع کا یہ بیان اس بات کا اعلان تھا کہ اب بھاجپا پارلیامنٹ میں یکساں سول کوڈ بل پیش کرنے والی ہے۔

اس اعلان کے بعد ۹/دسمبر کو بھاجپا کے ایک رکن پارلیامنٹ نے راجیہ سبھا میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے ایک غیر سرکاری بل پیش کیا۔ اپوزیشن کے اراکین نے اس بل کو پیش کرنے کی شدید مخالفت کی مگر شدید احتجاج کے باوجود اکثریت کی طاقت کی بنیاد پر راجیہ سبھا کے چیرمین نے اس کو پیش کرنے کی اجازت دیدی۔ یہ فسطائیت کی طرف بہت بڑا اقدم ہے۔ یکساں سول کوڈ کی صورت میں ہندوتوا ایجنڈا پر عمل کرنے کی پوری کوشش ہوگی۔ راجیہ سبھا میں پیش کیا گیا یہ بل باشندگان ہند کے بنیادی حقوق کے خلاف ہے۔ یہ آئین کی روح کے منافی ہے۔ تمام مذاہب کے ماننے والوں کے حقوق کو سلب کر لینے کی کوشش ہے۔

ہندوستان بہت سے مذہب و زبان و تہذیب کا ملک ہے۔ انگریزوں سے آزادی کے بعد اس ملک کے قائدین نے اس کو سیکولر قرار دیا ہے اور آئین ہند کے معماروں نے ملک کا سیکولر آئین تیار کیا ہے۔ اس میں ہر مذہب والوں کو اپنے مذہب، اپنی تہذیب و تمدن، اپنے رسم و رواج پر عمل کرنے کا پورا حق دیا گیا ہے۔ کوئی اس حق کو سلب نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کا پرسنل لاء ان کے لئے صرف رسم و رواج اور تہذیب و تمدن نہیں ہے، وہ ان کے دین کا ایک ضروری حصہ ہے۔ اس پر عمل کرنا ان کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ مسلمان کسی قیمت پر اپنے پرسنل لاء سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ اس لئے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوششوں پر مسلمانوں کو شدید احتجاج کرنا چاہئے، اپنے پرسنل لاء کی حفاظت کے لئے پر امن طریقے سے تمام کوشش کرنی چاہئے۔

مگر موجودہ حالات میں یکساں سول کوڈ کی مخالفت مسلمانوں کو تنہا نہیں کرنا چاہئے ورنہ فرقہ پرستوں کو موقع مل جائے گا اور اس کو وہ ہندو مسلم مسئلہ بنا دیں گے۔ پھر ملک کی اکثریت یکساں سول کوڈ کی حمایت اور اس کی تائید میں آجائے گی۔

اس لئے دوسرے مذہب والوں کو بھی اس تحریک میں شامل کرنا چاہئے۔ یہ یقینی بات ہے کہ دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو بھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے نقصان پہنچے گا، ان کی تہذیب اور ان کے رسم و رواج سب ختم ہو جائیں گے جس کو وہ کبھی پسند نہیں کریں گے۔ اس لئے ان سے بات کر کے ان کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہئے۔ اس طرح مخالفت کی آواز مضبوط اور مستحکم ہوگی۔

مسلم تنظیموں کو چاہئے کہ دوسرے مذہب والوں سے ملاقات کریں، اگر وہ یکساں سول کوڈ کے نقصانات اور خرابیوں سے واقف نہیں ہیں تو ان کو واقف کرائیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس سے ان کا مذہب، ان کی تہذیب و تمدن، ان کے شادی بیاہ کے تمام رسم و رواج ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ اس طرح تمام مذہب والوں کی اجتماعی تحریک شروع ہوگی تو وہ ضرور کامیابی کی طرف گامزن ہوگی۔ اس میں مسلمانوں کی طرف سے پوری محنت و جد و جہد اور دعا و تضرع بھی ضروری ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ضرور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

سولھویں قسط

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کتاب وسنت اور علمائے سلف کے اقوال وآثار کی روشنی میں

● محمد آیت اللہ قادری

میلاد نذیر :

اس میلاد نامے کے مصنف جناب مولانا نذیر احمد صاحب ہیں۔ یہ میلاد نامہ باہتمام محبوب الرحمن صاحب، محبوب عالم پریس کشن گنج سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے سرورق پر مرقوم ہے:

''ذکر حبیب بہ طرز جدید معروف بہ میلاد نذیر، تالیف لطیف جناب مولوی نذیر احمد صاحب نذیرؔ بی اے، بی ایل وکیل پورنیہ''۔

بلا شبہ اسّی (۸۰) سال سے زائد قدیم ہونے کے باوجود اس کی زبان واسلوب میں آج بھی جدت نظر آتی ہے، البتہ املاء کی قدامت اپنی جگہ مسلم ہے، میلاد نامے کے واقعات وروایات کو انہوں موثر انداز میں بیان کیا ہے جس سے قاری اور سامعین کی دل چسپی اول سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ میلاد نامے کے دوسرے صفحہ پر محمد سلیمان صاحب تعارف میں لکھتے ہیں:

''مکرمی مولوی نذیر احمد صاحب بی ایل نے اخلاص وعقیدت کی یہ نذر بارگاہ رسالت میں گذرانی ہے جو کچھ بھی ہے محبت کا اظہار ہے۔ خدا ہر مسلمان کے سینے کو حبّ رسول سے معمور کرے اور ہر مسلمان کو ذکر رسول کا خوگر بنائے...... ضرورت ہے کہ مسلمان اس محبت کے اظہار میں اپنی روزانہ زندگی کو سیرت نبوی کے نمونہ پر استوار کرنے کی کوشش کریں کہ سنت اسی کا نام ہے۔

کامل بسطام در تقلید فرد ❁ اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

کاشانہ ناچیز

۳؍فروری ۳۷ء محمد سلیمان''۔

محمد سلیمان صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ میلاد نامے کی اشاعت سن ۱۹۳۷ء کو ہوئی۔ یہ ۴۲ صفحات پر مشتمل ہے، جسے ایک نشست میں مکمل پڑھا جاسکتا ہے۔میلاد نذیر کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے کی گئی ہے۔حمد نظم ونثر دونوں میں ہے۔حمد کے بعد اس میلاد نذیر کی ابتداء ذکر ولادت کی بجائے کمالات ومعجزات سے کی گئی ہے، چند روایات کے بعد فضائل محفل میلاد کا بیان ہے۔تیس (۳۰) صفحات کے بعد نور محمدی ﷺ کا ذکر شروع ہوتا ہے جو معمولی فرق کے ساتھ من وعن وہی ہے جو دوسرے میلاد ناموں میں ملتا ہے۔

مولوی نذیر صاحبؒ ایک عمدہ نثر نگار کے ساتھ شاعر بھی تھے۔ان کی شاعری کے غائر مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعر گوئی میں ان کو کمال حاصل تھا، انہیں شعر کہنے کا ہنر آتا تھا، ان کے اشعار معنویت سے معمور ہیں۔ان کا تخلص نذیرؔ تھا۔ان کی سخن شناسی اور ذوق شاعری کا نتیجہ ہے کہ میلاد نذیر میں شروع سے آخر تک انہوں نے ہر روایت وواقعہ کے بعد اس کے مفہوم و مطلب کو تغزل کے رنگ میں پیش کیا ہے۔اگر میلاد خواں روایت بیان کرنے کے بعد غزل کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھے تو سامعین کے قلوب میں عشق مصطفوی ﷺ کی شمع روشن ہوجائے۔

حمد کے بعد پہلی غزل میں وہ لکھتے ہیں:

”غزل

میری قسمت سے ملا مجکو پیمبرؐ ایسا ❁ کب رسولوں میں ہوا کوئی بھی برتر ایسا
ہم نے پایا ہے نبیؐ شافع محشر ایسا ❁ بخشوائیں گے ہمیں خود وہ خدا سے کہہ کر
کوئی عالم میں نہیں مشفق ویاور ایسا ❁ درد دل کس کو سنائے یہ نذیرؔ خستہ

اس میلاد نامے میں مولف نے ضعیف وضعی روایات وغیر مستند واقعات کے بیان سے پرہیز کیا ہے، انہوں نے روایات کو نقل کرنے کے بعد مصادر وماخذ کو لکھنے کا اہتمام کیا ہے اور اسے وقیع بنایا ہے۔شاید مولف نے کتابت کے بعد نظر ثانی نہیں کی ہے اسی لئے اس میں کتابت کی غلطیاں ہیں۔اکثر محافل میلاد میں عوام کی کثرت ہوتی ہے شاید اسی کا خیال کرتے ہوئے انہوں نے اس کو عوامی نہج پر لکھا ہے۔اس کی زبان سلیس اور رواں ہے۔جو روایات وواقعات میلاد نامے میں شامل کئے گئے ہیں وہ عوام وخواص میں مشہور ومعروف ہیں پھر یہ کہ مؤلف کا طرز نگارش رواں اور سادہ ہے۔میلاد نامے کو پڑھنے کے بعد بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ مؤلف نے ”میلاد نذیر“ لکھ کر میلاد کے تعلق سے مسلمانوں کے لئے اور محافل میلاد منعقد کرنے والوں کے لئے قیمتی مواد پیش کیا ہے۔ان کی یہ کتاب اس فن میں ایک اہم اضافہ ہے۔

میلاد ناموں کے اساسی و بنیادی موضوعات میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت مقدسہ، شب ولادت کے واقعات، نور محمدی ﷺ، آپ ﷺ کا نسب نامہ، شیر خوارگی کے احوال وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ثانوی موضوعات میں رسول اللہ ﷺ

کے اوصاف حمیدہ، معجزات، غزوات، تجارت، شادی، آپ ﷺ کی عزلت نشینی، نزول وحی، دعوت وتبلیغ، سفر طائف، ہجرت، اسلام کی اشاعت، تکمیل دین، حجۃ الوداع اور وصال مبارک کے احوال کا بیان ہوتا ہے۔اس میلادنامے میں مولوی نذیر احمد صاحب نے ثانوی موضوعات کا بکثرت بیان کیاہے اوراساسی موضوعات کا ذکران کے مقابلے میں بہت کم ملتا ہے، چنانچہ حمد وصلوۃ کے بعد مؤلف علیہ الرحمہ رسول اللہ کے خصائص وخصائل، کمالات ومعجزات کے ذکر سے میلادنامے کی ابتداء کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اللہ جل شانہ نے اپنے بندگان کی ہدایت کے لئے روئے زمین پر جتنی کتابیں بھیجیں اور جتنے انبیاء علیہم السلام قوم کی رہنمائی کے لئے مبعوث کئے گئے ان کا خاتمہ خاتم پیغمبران حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔یعنی قرآن پاک سے پیشتر جتنی کتابیں آسمان سے نازل ہوئیں اور جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان میں سے کسی کتاب یا کسی نبی کا دین مکمل اور خاتم نہیں تھا بلکہ ہر نبی اور ہر کتاب یہی پیشین گوئی کرتی رہی کہ ہمارے دین کی تکمیل ایک آنے والے رسول ﷺ اور اس کی کتاب سے ہوگی، چنانچہ اس کا ذکر توریت اور انجیل میں بھی آیا ہے اور قرآن مجید میں صاف طور پر یہ اشارہ ہوا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔(ص:۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات وخصوصیات، فضائل وشمائل میں وہ پانچ چیزیں بھی شامل ہیں، جن کا ذکر خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ چیزیں عطا کی ہیں، جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ان میں سے ایک یہ کہ میرا رعب دشمنوں کے دلوں میں سمایا ہوا ہے، دوسری یہ کہ ساری زمین میرے لئے جائے سجود کر دی گئی ہے، تیسری یہ کہ مجھے شفاعت عظمیٰ حاصل ہے، چوتھی یہ کہ میری بعثت تمام جن و انس کے لئے ہوئی ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی پیغمبر کی تشریف آوری ہوئی، ان کی رسالت کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع ہو، مگر محدود تھا لیکن آپ ﷺ کے منصب رسالت کا دائرہ اس قدر وسیع و رفیع ہے کہ خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔(سبا:۲۸) یعنی ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا، نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اعلان کروایا گیا: قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔(الاعراف:۱۵۸) یعنی آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، پانچویں یہ کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دی گئی ہے، ان پانچوں مذکورہ بالا کا ذکر کرنے کے بعد مؤلف ؒ لکھتے ہیں:

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان پانچوں مذکورہ بالا کے سوا اللہ تعالیٰ نے ان کو جوامع الکلم بھی عطا فرمائی ہے۔اور جوامع الکلم اس بیان فصیح کو کہتے ہیں کہ لفظوں کے اعتبار سے کلام مختصر اور ہلکا ہو۔اور معنوں کے اعتبار سے بہت ہی بسیط اور کثیر النکات اور اسرار سے لبریز ہو۔چنانچہ علماء مجتہدین نے ایک جملہ سے اتنے اتنے مسائل استنباط اور انتخاب کئے ہیں کہ جس کی حد وشمار نہیں۔“(ص:۹)

میلاد نامے کے اوائل میں چند کمالات ومعجزات کا ذکر کرنے کے بعد مولوی نذیر احمد صاحب نے میلاد شریف کے فضائل کا بیان کیا ہے کہ جہاں بزم میلاد سجتی ہے، وہاں بکثرت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے، آسمان سے فرشتے اترتے رہتے ہیں اور جب مجلس میلاد میں صلوۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، تو فرشتے اس کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ تک پہونچاتے ہیں اور آپ ﷺ حاضرین مجلس کے لئے دعاء خیر وبرکت اور مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

غزل

بزم میلاد نبیؐ کے ہیں فضائل بے شمار ❁ ایسی دولت کو نہ چھوڑو مومنوتم زینہار
آسماں سے بہرشرکت اس میں آتے ہیں ملک ❁ دمبدم ہوتی ہے نازل رحمت حق بیشمار
منعقد جس جا کہ ہوتی ہے یہ بزم پاک واں ❁ خود بدولت ہوتے حاضر ہیں رسولؐ نامدار
ہو خبر اس کی تمہیں گر، تمکو آنا چاہئے ❁ محفل میلاد میں بیشک ہے فضل کردگار
ہر دو عالم کی بھلائی کا ہے ساماں اے نذیرؔ! ❁ بزم میلادِ حبیبؐ خالق لیل ونہار

بطفیل سیدنا رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو بہت سی خصوصیات وکمالات عطافرما کر اسے امم سابقہ سے ممتاز ومنفرد کر دیا ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے امت مسلمہ کے چند اہم خصوصیات وامتیازات کا اس میلاد نامے میں بیان کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:

”روایت ہے حضرت ابو مالک اشعریؓ سے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خلاص کیا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو تین باتوں سے اول یہ کہ ہم تمہارے واسطے بد دعا نہیں کریں گے تا کہ تم سب ہلاک نہ ہو جاؤ جیسا کہ امت سابقہ میں ہوا۔ دوسری یہ کہ اہل باطل اہل حق پر قیامت تک غلبہ نہ لے جاسکیں گے۔ تیسری یہ کہ ہماری امت گمراہی اور ضلالت پر قیامت تک مجتمع نہیں ہوسکتی (رواہ ابو داؤد)“۔۔۔(ص:۱۸)

مولوی نذیر احمد صاحب نے محض روایات کا سہارا لے کر میلاد نامہ کو مکمل نہیں کیا بلکہ انہوں نے ضرورت کے مطابق روایات کی تشریح وتوضیح بھی فرمائی ہے تا کہ سامعین روایت کے مطلب ومفہوم کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ صفحہ ۲۳ پر اولاً انہوں نے ترمذی شریف کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں گفتگو کر رہے تھے، کسی نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں، کسی نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، کسی نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں۔ ان سب کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم سب کے کلام کو سنا، تم لوگوں کو اس کی خوشی ہے کہ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں، واقعی وہ ایسے ہی ہیں، اور میں حبیب اللہ ہوں۔

روایت نقل کرنے کے بعد نذیرؔ صاحب ''خلیل'' اور ''حبیب'' کا فرق واضح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''حدیث ما قبل میں خلیل وحبیب کا ذکر آیا ہے اس لئے اس مقام پر مناسب سمجھ کر کچھ بیان فرق بتایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خلیل مشتق ہے خُلّت سے اور خُلّت کے معنی حاجت کے ہیں تو خلیل بمعنی محتاج کے ہوا پس ابراہیم علیہ السلام...... اپنے مولی کے محتاج ہوئے جیسا کہ عاشق اپنے جمیع حالات میں معشوق کا محتاج اور شیفتہ وشیدا ہوتا ہے۔ اور حبیب بروزن فعیل ہے اور فعیل اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ تو حبیب بمعنی محب یعنی چاہنے والا اور محبت کرنے والا بلا کسی غرض وطمع کے ہوتا ہے اور حبیب بمعنی محبوب ومطلوب...... مراد کے ہوتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہوا کہ خلیل بمنزلہ مرید وسالک وطالب کے اور حبیب بمنزلہ مراد ومجذوب ومطلوب کے ہے اَللّٰهُ يَجْتَبِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (الشوریٰ) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کرتا ہے۔ یہ اشارہ ہے جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ وَيَهْدِيٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ یعنی جو نبی ورسول، اللہ تعالیٰ کی طرف انابت ورجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف آنے کا رستہ بتا دیتا ہے۔ یہ اشارہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیونکہ دوسری آیۃ کریمہ میں ہے اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ (ھود) بے شک ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ آہ وزاری کرنے والا ہے اور خدا کی طرف رجوع وانابت کرنے والا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم محب ومحبوب، مراد ومطلوب مجتبیٰ و...... خدا ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام منیب اور مرید اور اواہ وطالب خدا ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ خلیل اس کو کہتے ہیں کہ جس کا فعل برضائے الٰہی ہو۔ اور حبیب اس کو کہتے ہیں کہ فعل مولی برضائے حبیب ہو۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ خلیل وہ ہے کہ جس کی مغفرت حد طمع اور حرص پر ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَالَّذِيٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ (الشعراء) یعنی ابراہیم علیہ السلام طمع کرتا ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو بخش دے۔ اور حبیب وہ ہے کہ جن کی مغفرت خدا کی جانب سے مرتبہ یقین پر ہو جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح:۲) یعنی اے رسول ﷺ! آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور بخش دے گا۔

چوتھا فرق یہ ہے کہ خلیل نے فرمایا وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ (الشعراء) یعنی اے اللہ! مجکو روز قیامت میں ذلیل ورسوا مت کیجیو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے بارے میں فرمایا يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (التحریم:۸) یعنی یاد کیجئے اے نبی ﷺ اس دن کو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے ساتھ جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں ان کو رسوا اور ذلیل نہیں کرے گا۔

پانچواں فرق یہ ہے کہ خلیل نے فرمایاوَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ۔(الشعراء) یعنی اے اللہ میری زبان کو سچی کردکھا آخرین میں ۔اور حبیب کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایاوَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ یعنی اے حبیب میں نے آپ کے ذکرکو بلند اور برتر کردیااذان میں، اقامت میں، التحیات میں، اور فرشتوں کی زبانوں میں اور بہشت کے قبوں میں وغیر ذالک ۔

چھٹا فرق یہ ہے کہ خلیل نے فرمایا وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیۡمِ۔(الشعراء) یعنی اے اللہ مجھکو نعمت والی جنت کاوارث بنااور حبیب کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ۔(الکوثر) یعنی اے حبیب میں نے آپ کو کوثر عطا کیا۔اور وہ کوثر بہشت میں ہے لہٰذا بہشت اور بہشت کی ساری چیزیں میں نے آپ کو عطا کیں۔ اورسب سے زیادہ پختہ دلیل شان محبوبیت کی خود قول اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَیَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔(آل عمران) اے رسول ﷺ! میرے بندوں کو کہہ سنائیے کہ اے بندگان خدا اگرتم خداوند تعالیٰ کا حبیب اور پیارا بننا چاہتے ہو تو سب سے پہلے میری پیروی اور اتباع کرو، تب خدا بھی تم کو دوست اور پیارا رکھے گا۔اس سے ظاہر ہوا کہ حبیب خدا کی پیروی اور اتباع سے بندہ بھی خدا کا پیارااور دوست ہو جاتا ہے ۔اللہ رے شان محبوبیت سوجان سے قربان جائیے۔

رب سلم علی رسول اللہ ۞ مرحبا مرحبا رسول اللہ۔“

—(ص:۲۵تا۲۸)

بیان معجزات وکمالات کے بعد مولوی نذیر احمد صاحب نے میلاد نامے کے آخری چند صفحات میں نور محمدی ﷺ اور ولادت مقدسہ کا ذکر کیا ہے ۔نور محمدی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”حضرت امام بن جوزی اپنی کتاب الوفا میں حضرت کعب احبار سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ جل شانہ نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنے کاارادہ کیا تو حکم کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہ زمین کے حصوں میں سے ایک مٹھی سفید مٹی کی لے آؤ پس جبرئیل علیہ السلام موافق حکم ربانی سفید مٹی اس جگہ سے اٹھا کر لے آئے جہاں کہ حضرت تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس وقت روضہ پاک ہے پھر وہ مٹی آب تسنیم سے خمیر کی گئی اور پھر جنت کی نہروں میں ڈوبائی گئی اور پھر آسمانوں میں طواف کرائی گئی یہاں تک کہ ملائکہ نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیااور یہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلہ تیار ہونے کے قبل ہوا تھا اور جب کالبد آدم علیہ السلام کا تیار ہوگیا تو وہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی پیشانی میں ودیعت رکھا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام سے کہا گیا یہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے کل اولاد انبیاء ومرسلین کا سردار ہوگا“—(ص:۳۱)

یہ واقعہ امام ابن الجوزی کی کتاب ’’الوفا باحوال المصطفی ﷺ‘‘ کے علاوہ دیگر مستند کتابوں میں بھی مذکورہ ہے ۔ یہ واقعہ حضرت مولانا شیخ محمد علی اکرم آروی نے اپنی کتاب ’’ثبوت نور النبی ﷺ‘‘ میں بیان کیا ہے ۔ یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں کتب خانہ مجیبیہ بدریہ کے شعبہ مخطوطات میں موجود ہے ۔ مولانا موصوفؒ نے اس واقعہ کو’مواہب‘ کے حوالے سے نقل کیا ہے، اور صاحب مواہب نے اس واقعہ کو امام عبداللہ بن حمزہ کی کتاب ’’بہجۃ النفوس‘‘، اور امام ابوالربیع کی کتاب ’’شفاء الصدور‘‘ سے نقل کیا ہے ۔حضرت مولانا علی اکرم آروی صاحبؒ نقل کرتے ہیں:

’’...فعرفت الملائکۃ وجمیع الخلق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہ قبل ان تعرف آدم علیہ الصلوۃ والسلام عزاہ فی المواھب عن کتاب بہجۃ النفوس للامام العارف الربانی عبد اللہ بن حمزۃ وعن کتاب شفاء الصدور للامام ابی الربیع۔‘‘ــ(ص:۳۳)

واقعہ مذکورہ کے بعد نذیر احمد صاحب نے واضح کیا ہے کہ نور محمدی ﷺ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام سے منتقل ہو کر پشت در پشت حضرت عبداللہ تک پہونچا اور ان سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ کو حاصل وتفویض ہوا۔ پھر آخر کار ظہور قدسی کا وقت آ ہی گیا، ماہ ربیع الاول میں آفتاب رسالت ﷺ کی ولادت باسعادت سے قبل عجیب اور خارق عادت امور ظاہر ہوئے جن کا بیان ہر میلاد نامے میں حسین و دلکش پیرایہ میں کیا جاتا ہے ۔میلاد نامہ ہذا میں باختصار ان امور کا ذکر کرنے کے بعد نذیر احمد صاحب پیرایۂ نظم میں لکھتے ہیں:

آمد آمد ہے رسولؐ پاک کی ❁ آمد آمد ہے شہ لولاک کی
آمد آمد ہے مرے سرکار کی ❁ آمد آمد ہے شہ ابرار کی
آمد آمد مرسل برتر کی ہے ❁ آمد آمد مالک کوثر کی ہے
فخر امت اور شفیع عاصیاں ❁ آرہے ہیں اب حبیب دو جہاں
آچکے تھی جس کے آنے کی خبر ❁ کہتے ہیں آپس میں جن و بشر
مومنو تشریف لاتے ہیں نبیؐ ❁ دھوم عالم میں ہے یہ ہر جا مچی
جلوہ گر ہونے کو ہے بدر منیر ❁ کیوں نہ ہو اس کی خوشی تم کو نذیرؔ

ــ(ص:۳۵)

اس کے بعد نذیر احمد صاحب نے ظہور قدسی کے عنوان کے تحت آپ کی دنیا میں تشریف آوری کو اپنے مخصوص اسلوب میں عقیدت نبوی ﷺ سے سرشار ہو کر بیان کیا ہے ۔وہ اپنے حسین پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں:

’’یتیم عبد اللہ، جگر گوشہ آمنہ، شام حرم، حکمران عرب، فرمانروائے عالم، شہنشاہ کونین عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے ۔اللھم صل علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم............

غزل

وہ شہنشاہ زمان پیدا ہوئے ❁ مالک ہر دو جہاں پیدا ہوئے
تھی ازل سے جس کے آنے کی خبر ❁ وہ شفیع عاصیاں پیدا ہوئے
واسطے جس کے ہوئے ارض وسما ❁ آج وہ فخر زماں پیدا ہوئے
خود خدا شیدا ہے جس کے حسن کا ❁ مومنو وہ جانِ جاں پیدا ہوئے
کیوں نہ ہم تعظیم کو اٹھیں نذیرؔ ❁ سید کل مرسلاں پیدا ہوئے

—(ص:۳۸)

میلاد ناموں کی روایت کے مطابق میلاد نذیر میں ذکر ولادت مبارکہ کے بعد مؤلف نے سید المرسلین کی بارگاہ میں ہدیہ سلام پیش کیا ہے۔سلام کے اشعار کی بڑی خصوصیت زبان کی سلاست،روانی اور بے ساختگی ہے۔کتاب کے اخیر میں مناجات ہے جس میں نذیر احمد صاحبؒ نے استمداد طلبی کے لئے دلسوز اور پر تاثیر اشعار لکھے ہیں۔مناجات میں انہوں نے طلب عفو ومغفرت اور اپنے گناہوں پر ندامت وپشیمانی کا اظہار بڑے موثر انداز میں کیا ہے۔

’’مناجات

فضل کر تو حال پر میرے خدا ❁ تو ہے مالک اور میں بندہ ترا
عاجز وبیکس ہوں میں تو ہے رحیم ❁ تیری رحمت کی نہیں کچھ انتہا
بندۂ عاصی ہوں میں رب غفور ❁ تیری بخشش کا فقط ہے آسرا
چھوڑ کر در کو ترے جاؤں کہاں ❁ کون ہے معبود اک تیرے سوا
اپنی رحمت سے مجھے کر مستفیض ❁ بخش میرے دل میں حب مصطفیٰؐ
لذت دیدار ہو ان کی نصیب ❁ جان و دل کو میں کروں ان پر فدا
دور کر دل سے مرے فکر معاش ❁ فارغ البالی مجھے تو کر عطا
محفل میلاد میں جو ہیں شریک ❁ یا الٰہی ان کی کر حاجت روا
خاتمہ بالخیر ہر مومن کا ہو ❁ ہے نذیرؔ خستہ کی تجھ سے دعاء

—(ص:۴۲)

ذکر میلاد :

’’ذکر میلاد‘‘ کے مؤلف جناب غلام محمد عباس صاحب ہیں،سال تصنیف کا اس میں کہیں اندراج نہیں ہے البتہ اس

کے سرورق پر سن طباعت کا اندراج ہے۔ سرورق پر لکھا ہوا ہے ’’مطبوعہ ماہ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ‘‘۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کو ایک صدی سے زائد کا عرصہ گذر چکا۔ اس کتاب کی طباعت جناب مولوی ابوالحسن خاں صاحب کی فرمائش پر سید محمد مظہر الحق چشتی مجیبی کے اہتمام سے مطبع مرتضوی پھلواری شریف میں ہوئی تھی۔

مؤلف نے دوسرے صفحہ پر اپنی نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’بندہ کج مج بیان گنگ زبان اضعف الناس غلام محمد عباس معروف بہ محمد عبداللہ خاک نعلین رسول اللہ ارباب دانش و اصحاب بینش کی جناب فیض انتساب میں باعتراف عجز وقصور عارض مدعا ہے کہ مجھے لیاقت علمی مطلق نہیں۔ جو میرا نقد علم ہے میں خود جانتا ہوں۔ من آنم کہ من دانم۔ اور یہ جو کچھ رطب و یابس ہجے لگا کر پڑھ لیتا ہون وہ بھی آپ سب صاحبون کا فیضان صحبت ہے ورنہ مین کیا اور میری تالیف وتصنیف کیا۔ اور یہ چند متبرک اوراق جو آپ کی پاک بین نظرون سے دو چار ہین محض بامید حصول خیر و برکت نہ بخیال نام ونشان ہین۔ والسلام علی من اتبع الھدی

ودیگر تالیفات وتصانیف ان شاء اللہ بشرط بقاے حیات مستعار پیش نذر ہوگا۔

نگلہ عظیم آباد

پٹنہ بانکی پور‘‘

اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ماہ ربیع الاول کی محافل میں پڑھی جاسکتی ہے اور ماہ رجب کی مجلس رجبی شریف میں بھی یعنی اس کتاب کو مجلسی تقاضوں کے پیش نظر مضامین کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں پہلا حصہ اول الذکر ماہ کی محافل کے لئے اور دوسرا حصہ ثانی الذکر ماہ کی مجلس میں پڑھنے کے لئے، اس لئے کہ حمد وصلوۃ کے بعد اس مولودنامہ کے اوائل میں صفحہ ۲ سے ۱۲ تک فضائل درود شریف کا بیان ہے، صفحہ ۱۲ سے ۲۰ تک ولادت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۰ سے ۲۸ تک معراج کے واقعات وحالات کا بیان نثر میں ہے، چونکہ مؤلف کو شعر وشاعری سے حد درجہ لگاؤ تھا، اس لئے صفحہ ۲۹ سے ۵۵ تک نثر کے بعد واقعہ معراج کو نظم کیا گیا ہے۔ مؤلف نے ذکر میلاد کا مسودہ بالخصوص رجبی شریف کی محافل میں پڑھنے کے لئے لکھا تھا، جیسا کہ کتاب کے سرورق پر صریح لفظوں میں لکھا ہوا ہے:

’’ذکر میلاد، یہ اس چٹھ کی نقل ہے جس کو عزیزی عبداللہ سلمہ اللہ موسوم بہ غلام محمد عباس صاحبزادہ جناب حکیم رعایت حسین صاحب رئیس پٹنہ نے ترتیب دے کر مجلس رجبی شریف میں پڑھا تھا‘‘۔

چونکہ اسے رجبی شریف کی مجلس میں پڑھنے کے لئے تحریر کیا تھا شاید اسی لئے ’’ذکر میلاد‘‘ کے مؤلف نے اس میں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے وصال تک کے احوال کو بیان نہیں کیا ہے، نہ اختصار کے ساتھ اور نہ ہی تفصیل کے ساتھ، جیسا کہ میلاد ناموں کی روایت ہے۔ محض ذکر نور محمدی ﷺ اور ولادت باسعادت پر اکتفا کیا۔

''ذکر میلاد''۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔مؤلف نے واقعات کے سلسلہ میں تحقیق وتدقیق سے کام لیا ہے۔ان کی یہ کتاب رطب و یابس سے پاک اور مجالس میں پڑھنے کے لئے موزوں ہے۔اس میں ضعیف روایات کا سہارا نہیں لیا گیا ہے اور نہ غیر معروف بات تحریر کی گئی ہے۔انہوں نے قرآن کریم کے علاوہ صحیح مسلم،سنن النسائی،سنن ابن ماجہ،طبرانی کی معجم الاوسط و دیگر مستند کتابوں سے روایات و واقعات اخذ کر کے اسے معتبر اور وقیع بنا دیا ہے۔ان کتابوں کے علاوہ علماء ومشائخ کے اقوال بھی جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں۔شرکاءمجلس کی دل چسپی کو برقرار رکھنے اور ان کے قلوب پر سیرت نبوی ﷺ کے اثرات کو قائم کرنے کے لئے عبارات کے درمیان اور موضوعات کے اختتام پر اردو،فارسی اور عربی کے اشعار درج کئے گئے ہیں۔یہ کتاب سو سال سے بھی زائد قدیم ہے اس لئے اس میں زبان اردو کے ساتھ فارسی اور عربی کے الفاظ بھی بکثرت مستعمل ہیں۔

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں واضح کر دیا کہ صفحہ ۵۵ تک فضائل درود شریف،ولادت باسعادت اور معراج جیسے اہم موضوعات کو والہانہ عقیدت ومحبت کے ساتھ بیان کیا ہے۔صفحہ ۵۵ سے ۵۷ تک ''الفاتحہ'' عنوان کے تحت باری تعالیٰ کی صفات عالیہ کا ذکر کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ وطفیل سے دعائیں مانگی گئی ہیں اور اسی پر کتاب کا اختتام ہوا ہے۔ اختتام کے بعد صفحہ ۵۷ سے ۵۹ تک سید سجاد حسین عرف نثار حسین المتخلص بہ نثار بنارسی کے دو قصیدے ہیں،پہلا قصیدہ غلام محمد عباس صاحب کے والد بزرگوار جناب حکیم رعایت حسین صاحب کی شان میں ہے۔اس قصیدے کا عنوان ہے''قصیدہ مدحیہ بہاریہ درشان رفعت نشان جناب مستطاب معلی القاب جناب حکیم رعایت حسین صاحب مرحوم رئیس عظیم آباد دامت افضالہ و برکاتہ''

دوسرا قصیدہ مؤلف کی شان میں ہے جس میں ان کی صفات جمیلہ،شان وشوکت اور سخاوت کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے۔اس قصیدے کا عنوان ہے''قصیدہ بہاریہ درمدح حضور لمعۂ نور عالی جناب مستغنی عن الالقاب سکندر صولت جمشید دولت صاجنرادۂ عالی وقار غلام محمد عباس معروف بہ محمد عبداللہ صاحب سلمہ اللہ تعالی من حوادثناۃ والشین واعزہ بعلو درجاۃ فی الدارین''۔

قدیم روایت کے مطابق کتاب کے اخیر میں یعنی صفحہ ۵۹ و ۶۰ میں غلط نامہ تحریر کر کے کتاب میں موجود اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔کتاب کی پشت پر منیجر دفتر معارف کی طرف سے ماہنامہ معارف پھلواری شریف،دیوان فرد،صلوات اللہ الجلیل علی نبیہ الحبیب الجمیل،توضیح المرام ترجمہ خلاصۃ الکلام،دیوان خورشید عرفان کا اشتہار ہے۔

روایت کے مطابق حمد وصلوۃ وسلام سے کتاب کی ابتدا کی گئی ہے۔اس کے بعد درود شریف کے فضائل و برکات کا بیان ہے،اس کے ضمن میں محفل میلاد کی عظمت و برکت،اہمیت و افادیت کا بھی بیان ہے۔اس باب کا ایک اقتباس اور چند اشعار بطور نمونہ پیش کرتا ہوں:

''صحیح مسلم میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی صلوۃ بھیجتا ہے مجھ پر ایک بار صلوۃ بھیجتا

ہے خداوند عالم اس پر دس بار...... ترمذی نے روایت کی ہے ابی بن کعبؓ سے کہ کہا مین نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مین چاہتا ہون کہ آپ ﷺ پر بہت درود پڑھون۔ پس کس قدر وقت مقرر کرون۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس قدر چاہو۔ عرض کیا چوتھائی وقت اپنے وظیفے سے حضرت نے فرمایا جس قدر چاہو زیادہ کرو۔ حتی کہ انہوں نے تمام وقت اپنے وظائف کا کہہ ڈالا کہ محض درود وسلام مین صرف کرون۔ فرمایا اب تمہارا مقصد حاصل ہوگا اور تمہارے سب گناہ معاف کئے جاوینگے...... صاحبو! مجلس میلاد کی شان وعظمت پر غور کرنا چاہئے کہ یہ بزم پاک موجب نزول برکات الٰہی واختلاط ملائک بہر حال ثابت ہے۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مجھ پر درود پڑھے قریب میری قبر کے مین سن لیتا ہون اور جو دور سے پڑھے مجھے پہونچا دیا جاتا ہے۔ شفا مین ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس درود کو اس کے نام کے ساتھ میرے پاس پہونچاتے ہین۔ طبرانی نے اوسط مین روایت کی ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص درود بھیجے مجھ پر کسی کتاب میں فرشتے اس پر درود بھیجتے رہینگے جب تک میرا نام رہے گا اس کتاب مین...... ابن ماجہ نے بسند حسن اور حافظ ابونعیم نے حلیہ مین روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی بھول گیا مجھ پر درود بھیجنا بہک گیا راہ جنت سے پس ظاہر ہوا کہ یہ مجلس پاک زینہ ہے بہشت کا۔ اس مین کوتاہی کرنا باعث زوال نعمت ہے۔ حاصل کلام فضائل درود وسلام سے تمام قرآن وحدیث معمور ہے اور مجلس میلاد ذریعہ ایصال درود وسلام ہے اور یہی اس کا ماحصل ومقصد اصل ہے۔

سلّموا یا قوم بل صلوا علی الصدر الامین
مصطفی ماجاء الا رحمۃ للعالمین

لا اعلم

یہ بزم مجلس شہ عالم پناہ ہے ❁ اس گھر سے تا بعرش برین صاف راہ ہے
یہ محفلِ رسول فلک بارگاہ ہے ❁ یارو چلو کہ محفل میلادِ شاہ ہے

جو آگیا یہان ہمہ تن نور ہوگیا
سارے گناہ دھل گئے مسرور ہوگیا

اس جا فلک سے بارش باران نور ہے ❁ رفعت سے یان کی پست بلندی طور ہے
یہ محفل حبیب خدائے غفور ہے ❁ انسان جو اس سے دور ہے جنت سے دور ہے
فراش جبرئیل ہین خضر آب پاش ہین ❁ کتنے فرشتے مہتمم دور باش ہین
جاتے ہیں جبرئیل ہر ایک کے مکان پر ❁ پہونچاتے ہین سلام شہنشاہ بحر و بر

کہتے ہین پھر ادب سے یہ ہاتھ باندھ کر ۞ آیا ہون دینے محفل میلاد کی خبر
مسرکب براق کا در دولت پہ لائے ہین ۞ چلئے ملک حضور کے لینے کو آئے ہین

۔۔۔(ص:۶ تا ۸)

اس کے بعد نور محمدی ﷺ کا بیان ہے، ذکر نور میں ان کا انداز دیگر میلاد نگاروں سے جداگانہ ہے، انداز تحریر کی دلکشی نے ایک امتیاز قائم کیا ہے، مقفی و مسجع جملوں کا استعمال کیا ہے، جو سامعین کے قلوب کو موہ لیتے ہیں ۔انہوں نے تحریر کیا ہے کہ بادشاہ یمن خانہ کعبہ کی عظمت وشان اور جاہ وجلال کو دیکھ کر حسد کرتا تھا، اسے منہدم کرنے کے لئے ابرہہ اپنے سرداران قوم و صنادید قبیلہ اور ایک لاکھ جوانان جری اور چارسومست ہاتھیوں کے ہمراہ مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوا، بیت اللہ کے قریب پہونچ کر ان سبھوں نے اہل قریش کو ایذائیں دیں اور ان کے مال ومتاع لوٹ لئے، عبد المطلب کے بھی دوسو اونٹ، ایک روایت کے مطابق چارسو اونٹ لوٹ لئے، جو انہوں نے بیت اللہ کے زائرین کی ضیافت کے لئے پرورش کر رکھے تھے ۔انہوں نے ابرہہ سے ملاقات کی، اس کے پاس سے واپس ہوئے تو دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اہل قریش اور کعبہ کو ابرہہ اور اس کے لشکر کے شر سے محفوظ رکھا اور تمام لشکر کو ہلاک کر دیا جس کا ذکر سورہ فیل میں ہے ۔مولف غلام محمد عباس صاحب ؒ لکھتے ہیں:

’’جس وقت حضرت عبد المطلب کو اس واقعہ قیامت خیز و سانحہ وحشت انگیز کی اطلاع ہوئی ہے خون ہاشمی رگون مین موجین لینے لگا۔غم واندوہ دینے لگا آخر کار حضرت خود بحالت تشویش وانتشار ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے ۔

بس دیکھتے ہی چارطرف رعب چھا گیا ۞ دہشت سے ابرہہ کا جگر تھرتھرا گیا

پہلے تو وہ...... رکا آ کر تسلیم کو جھکا۔حضرت سے مؤدبانہ باتین کرنے لگا اور اثنائے گفتگو مین اپنے خدام کو اشارہ کیا کہ اس کا ایک سپید ہاتھی محمود نامی جس کی جانبازی و جسامت پر اسے نہایت ہی فخر تھا حضرت کے ملاحظہ کو حاضر لائین۔ معا بحکم اس کے مصاحبین ہاتھی کو سج دھج سے سامنے لائے ۔ہاتھی فوراً جد سید الکونین کو پہچان کر سجدہ تعظیم بجا لایا اور بزبان حال گویا ہوا۔

وہ نور جس کو پشت مین تیرے مقام ہے ۞ حق کا درود بندے کا اس پر سلام ہے

ابرہہ اس اعجاز سے ششدر ہوا اور حضرت کے تکلیف فرمانے کا مستفسر ہوا ۔

مجھ پر عیان ہوئی ہے کرامت حضور کی ۞ پوری کرون جو ہو کوئی حاجت حضور کی

چونکہ وہ حامل نور الہی اس وقت ایک تصویر غضب و جلال تھا یہ فقرہ اور بھی باعث اشتعال تھا جھنجھلا کر فرمایا ’’......مردان خدا بھی کسی سے کچھ چاہتے ہین‘‘ بخدائے کعبہ کون سی چیز دولتِ دنیا و سرمایہ عقبی ہے جو میرے گھر مین نہ ہو‘‘۔۔۔(ص:۱۰، ۱۱)

بیان نور محمدی کے بعد مولف نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے واقعات کو پورے جذبے و جوش کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بطور نمونہ اقتباس اور چند اشعار تحریر کرتا ہوں:

عرب اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ اسی سال...... بعد گذرنے سات ہزار نو سو برس چار مہینے سات روز زمان وفات حضرت آدم علیہ السلام سے اس نور دیدۂ اقبال، مولائے حسن و جمال، بانی اسلام، قاطع کفر وظلام، پرتو فشان صور جمل یعنی مسیح ملت خلیل نے قدم ناز گلزار دنیا پر مانند بنیاد اسلام مضبوط و مستحکم رکھا۔ ظلمات کفر نور حقیقت افروز سے اس کے مثل آفتاب نیمروز روشن و درخشان۔ ذرہ ذرہ اسلام کا تہنیت خوان گوشہ گوشۂ عالم مینو قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کی صدائیں بلند ہوئیں۔ پرندون کے چہچہے سے دو چند ہوئیں۔

مولف

لو خزان گذری بہار اب آگئی ❁ وہ گھٹا رحمت کی ہر سو چھا گئی

ہر طرف ابر رحمت چھا گیا ❁ فرشتون کو بھی عالم اسباب بھا گیا

روایت کے مطابق ذکر ولادت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلوۃ وسلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں:

سلام

دنیا میں آج آیا نور خدا ❁ غش مین گرے گبر و ترسا

فرض ہے ہم پر اعزاز اس کا ❁ اٹھ کے کہین سب صل علیٰ"

—(ص: ۱۲)

پیشوائے رسالت پر لاکھوں سلام ❁ مقتدائے نبوت پر لاکھوں سلام

ابتدائے ہدایت پر لاکھوں سلام ❁ انتہائے شفاعت پر لاکھوں سلام

ایک ساعت مین دوزخ کو خالی کرے ❁ واہ ایسی شفاعت پر لاکھوں سلام

دست مالک سے چھٹ کر بہشتی بنے ❁ تاجِ بخشِ کرامت پہ لاکھوں سلام

عذر کرنے نہ پائے کہ منظور ہو ❁ عذر خواہ قیامت پر لاکھوں سلام

—(ص: ۱۳، ۱۵)

واقعہ معراج بعثت کے گیارہویں سال پیش آیا۔ یہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک منفرد خدائی اعزاز تھا جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی یا رسول کو عطا نہیں کیا گیا۔ جمہور علماء و محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ماہ رجب المرجب کی شب ۲۷ کو پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی رض کے گھر سے حضرت جبرئیل کی معیت میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصی تشریف

لے گئے، وہاں تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو نماز پڑھائی ،مسجد اقصیٰ میں آپ ﷺ کے ذریعہ انبیاء ورسل کی امامت آپ ﷺ کے مرتبے کی تاکید کے لئے تھی ۔مسجد اقصیٰ سے بلند آسمانوں پر تشریف لے گئے، سدرۃ المنتہی کے بعد حضرت جبریل امین کو آپ ﷺ کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی گئی ۔آپ ﷺ نے وہاں اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں کا ملاحظہ فرمایا۔سورہ اسراء اور سورۂ نجم میں معراج کی تفصیلات موجود ہیں ۔

مسلمانوں نے عشق رسول کے جذبے سے سرشار ہو کر جب رسول اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات، خصائص وخصائل اور عظمت نبوی ﷺ پیش کرنے کے لئے تقریر وتحریر سے کام لیا تو نتیجۃً مختلف موضوعات کے تحت بکثرت کتابیں وجود میں آئیں ۔مختلف فنون کا ظہور ہوا، اسی دور میں میلاد کی طرح واقعات معراج کو لکھنے کی ابتدا ہوئی، سرزمین ہند پر موجود علماء ومشائخ نے مختلف زبان میں معراج نامے لکھے۔سرزمین ہند میں معراج ناموں کے نثری شہ پارے اکثر علماء ومشائخ کی رشحات قلم کا نتیجہ نظر آتے ہیں، البتہ منظوم معراج ناموں میں ان کے علاوہ شعراء کی موجودگی بھی شامل ہے ۔ان معراج ناموں میں آپ ﷺ کی شان وعظمت، شب معراج کی توصیف، براق کی تعریف، آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل امین کا ادب و احترام کے ساتھ حاضر ہونا، جبریل امین کی معیت میں مکہ معظمہ سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرنا، مسجد اقصیٰ میں آپ ﷺ کا امامت کرنا اور انبیاء ورسل کا آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنا، اس کے بعد آسمانوں کا سفر کرنا، آسمان اول تا ہفتم کا مشاہدہ، انبیاء علیہم السلام سے ملاقات، قصر حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمرؓ، نماز پنجگانہ کا فرض ہونا، آپ ﷺ کا سدرۃ المنتہی جانا اس کے علاوہ دیگر روایات وغیرہ کے عنوانات شامل ہیں ۔

معراج سب سے بڑا خدائی واقعہ تھا۔اس لئے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، نیز اس کی اہمیت وفضیلت کی بنا پر میلاد ناموں کے موضوعات میں بھی اسے شامل کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز معراج کا بیان کم و بیش ہر میلاد نامے میں موجود ہے، میلاد ناموں کو دیکھ کر بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس اعجاز کی ترویج وتبلیغ میں میلاد ناموں نے منفرد اور مثالی کردار ادا کیا ہے ۔غلام محمد عباس صاحب نے ''ذکر میلاد'' میں معراج کے حالات وواقعات کو عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے ۔واقعہ معراج کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

> ''واقعہ معراج حقیقتاً جانچ بندہ مومن وکافر کی ہے ۔علاوہ اس سے کہ اپنے محبوب پر کشف رموز وافشائے اسرار مدنظر تھا اس مین اپنے سچے ماننے والون کا امتحان اور دوزخیون کی پہچان بہ پیرایہ تصدیق وتکذیب رکھی تھی ۔بعد اس کے خود اس واقعہ کی صداقت فرمائی اور عوام الناس پر بلا اختصاص مذاہب واقوام بہ نص صریح اعلان فرمایا: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝۱ ''۔۔۔(ص:۲۲)

شب معراج نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری براق کی تعریف اور مسجد اقصی میں آپ ﷺ کی امامت کا بیان اس طرح کرتے ہیں:

''ارباب سیر فرماتے ہیں کہ سیر اس براق بہشتی کی جو شب معراج مین مرکب محمد ﷺ تھا اتنی تیز تھی کہ جہاں تک انسان نظر پہونچا سکتا اس حد پر اس کا ایک ایک قدم پڑتا۔غرض جب حضرت ﷺ بیت المقدس کے قریب ہوئے ایک فوج ملائک استقبال مین حضرت کے آئی حضرت براق سے اتر پڑے اور اسے ایک حلقہ سے جس سے پیغمبر علیہم السلام اپنا مرکب باندھتے تھے لگا دیا اور مسجد اقصی مین تمامی انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی اور تحیۃ المسجد ادا کیا''۔۔۔(ص:۲۶)

نثر کے بعد تضمین ہے۔اعجاز معراج کو نظم میں پیش کیا گیا ہے،نمونہ کے طور پر چند اشعار درج ذیل ہیں:

بلغ العلی محمد کشف الدجیٰ تمامی ۞ حسنت جمیع عالم بلقاے حسن حاوی
صلو علی محمد سلم علی اصحاب ۞ ہوئے عرش کے قرین تو صداے غیب آئی
''تو بدین جمال وخوبی برطور اگر خرامی ۞ ارنی بگوید آن کس کہ بگفت لن ترانی''
کی عرض جبرئیل نے چلنا محال ہے ۞ آگے بڑھے یہان سے یہ کس کی مجال ہے
یہ انتہاے اوج براق خیال ہے ۞ آغاز باب بارگہہ لا یزال ہے
جان پر وبال آئے اگر بال بھر اڑون ۞ کب بڑھ سکون جو عمر کے بھی سال بھر اڑون
اے فخر نبی ﷺ دین کے سرتاج مبارک ۞ اے جلوہ دہ شمعۂ وہاج مبارک
تم عرش پہ پہونچے تمھین معراج مبارک ۞ شب چین سے گذری تمھین عید آج مبارک
فرداے قیامت کو نہ بے چین ہو عباسؔ ۞ زیر علم حضرت حسنین ؓ ہو عباس

۔۔۔(جاری)

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

دوسری قسط

سد ذرائع ــــ ایک اہم اصول

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

ذرائع کی قسمیں اور ان کے درجات:

علامہ قرافی نے اپنی کتاب الفروق کے ۵۸ ویں فرق میں ذرائع پر بحث کی ہے۔ وہ ذرائع کی تین قسمیں کرتے ہیں۔

(۱) جس سے منع کرنے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ یعنی تمام ائمہ کے نزدیک اس کو روکنا اور اس سے منع کرنا ضروری ہے۔ جیسے لوگوں کے عام راستے میں کنواں کھودنا۔ یہ لوگوں کے اس میں گرنے اور ہلاک ہونے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح لوگوں کے کھانے میں زہر ملا دینا جو ان کی ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح جس کے بارے میں معلوم ہے کہ اس کے سامنے معبودان باطل کو برا کہنے سے وہ بھی بدلہ میں اللہ تعالی کو برا کہے گا تو اس کے سامنے اس کے معبودوں کو برا بھلا کہنا اللہ تعالی کو سب وشتم کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ پہلی قسم ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یعنی سب کے نزدیک اس کے ممنوع ہونے پر اتفاق ہے۔

(۲) جس سے منع نہ کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔ جیسے شراب بنانے کے اندیشہ سے انگور کی کھیتی سے روکا جائے، یہ کسی نے نہیں کہا ہے۔ یعنی انگور کی زراعت سب کے نزدیک جائز ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ شراب سے بچنے کے لئے انگور کی کاشت جائز نہیں ہے۔

(۳) جس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس سے منع کیا جائے گا اور روکا جائے گا یا نہیں روکا جائے گا۔ جیسے بیوع آجال۔ یہ شوافع کے نزدیک جائز ہے، مالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

بیع آجال کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ زید نے عمرو سے کوئی سامان ایک ہزار روپئے میں فروخت کیا اس شرط پر کہ اس کی قیمت زید کو ایک مہینہ کے بعد ملے گی۔ اس کے بعد زید نے عمرو سے اسی سامان کو پانچ سو میں نقد اُخرید لیا۔ بیع کی یہ صورت ربا کا ذریعہ بن رہی ہے کیونکہ اس کا مقصد بیع نہیں ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمرو کو پانچ سو روپئے کی

ابھی ضرورت ہے۔چونکہ زید اس سے سود نہیں لے سکتا ہے،اس لئے زید نے بیع کا طریقہ اختیار کیا اس طرح کہ عمرو سے ایک سامان کی ایک ہزار میں ادھار بیع کرلی، پھر اسی سامان کو عمرو سے پانچ سو میں خرید لیا اور اس کو پانچ سو دیدیا۔اب زید کا سامان بھی اس کو واپس مل گیا اور عمرو سے وہ بعد میں ایک ہزار وصول کرے گا۔اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ زید کا مقصد سامان کی خرید و فروخت نہیں ہے بلکہ پانچ سو دے کر ایک ہزار لینا ہے جو صریح ربا ہے۔

امام مالک نے اس بیع کو ربا کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔امام شافعی اس میں بیع کی ظاہری صورت دیکھ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ایسے بہت سارے مسائل ہیں جن کو بیوع آجال کہا جاتا ہے،یہ امام مالک کے نزدیک ناجائز اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہیں۔امام قرافی لکھتے ہیں۔

الذرائع ثلاثة اقسام: قسم أجمعت الأمة على سده ومنعه وحسمه كحفر الآبار فى طرق المسلمين، فإنه وسيلة الى إهلاكهم فيها، و كذلك إلقاء السم فى أطعمتهم، وسب الأصنام عند من يعلم من حاله أنه يسب الله تعالى عند سبها۔ وقسم أجمعت الأمة على عدم منعه، وإنه ذريعة لاتسد ووسيلة لاتحسم كالمنع من زراعة العنب خشية الخمر، فإنه لم يقل به أحد و كالمنع من المجاورة فى البيوت خشية الزنى۔وقسم اختلف فيه العلماء هل يسد أم لا؟ كبيوع الآجال عندنا۔(الفروق للقرافى ۴۵/۳، المجموع للنووى ۱۶۰/۱۰، البحر المحيط للزركشى ۳۸۲/۴)

ترجمہ : ذرائع کی تین قسمیں ہیں۔(۱) پہلی قسم پر امت کا اتفاق ہے کہ اس سے روکا اور منع کیا جائے گا جیسے راستے میں کنواں کھودنا کیونکہ یہ لوگوں کے اس میں گرنے اور ہلاک ہونے کا ذریعہ ہے۔اسی طرح لوگوں کے کھانے میں زہر ڈالنا۔ معبودان باطل کو اس کے سامنے برا کہنا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ بھی بدلہ میں اللہ تعالیٰ کو برا کہے گا۔(۲) دوسری قسم جس سے منع نہ کرنے پر امت کا اتفاق ہے۔وہ ایسا ذریعہ ہے جس سے روکا نہیں جائے گا اور ایسا وسیلہ ہے جس کو ختم نہیں کیا جائے گا۔جیسے شراب کے خوف سے انگور کی کھیتی کرنے سے روکنا،کسی نے بھی ایسا نہیں کہا ہے۔جیسے زنا کے خوف سے گھروں کے پڑوس میں رہنے سے روکنا۔(۳) تیسری قسم جس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے منع کیا جائے گا یا نہیں۔جیسے ہم لوگوں کے نزدیک آجال کی بیع (یعنی ادھار بیع کی صورتیں)۔

اس میں سے پہلی قسم میں حرمت تک پہنچنے کا یقین یا ظن غالب ہوتا ہے،اس لئے وہ بالاتفاق سب کے نزدیک حرام ہے۔قرآن و حدیث میں سد ذرائع کی جو مثالیں ہیں وہ سب اسی قسم کی ہیں۔دوسری قسم میں حرمت کا ذریعہ بننا اور حرمت تک پہنچنا نادر ہے۔اس لئے کسی نے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے اور نہ کسی نے اس کو حرام کہا ہے۔ان دونوں قسموں میں سب کا اتفاق ہے پہلی قسم کے حرام ہونے پر اور دوسری قسم کے مباح ہونے پر۔اختلاف تیسری قسم میں ہے۔کیونکہ تیسری قسم میں حرمت تک پہنچنا ظن غالب تو نہیں ہے اور نہ نادر ہے بلکہ دونوں کے درمیان میں ہے یعنی کثیر الوقوع ہے۔

علامہ تاج سبکی لکھتے ہیں۔

قال:الذريعة ثلاثة أقسام، أحدها: مايقطع بتوصله إلى الحرام فهو حرام عندنا وعند المالكية ۔ والثاني: ما يقطع بأنها لا توصل، ولكن اختلطت بما يو صل، فكان من الاحتياط سد الباب۔والحاق الصورة النادرة التي قطع بأنها لاتوصل إلى الحرام بالغالب منها الموصل إليه۔قال الشيخ الامام: وهذا غلو في القول بسد الذرائع ۔ والثالث: مايحتمل ويحتمل، وفيه مراتب تتفاوت بالقوة والضعف و يختلف الترجيح عند المالكية بسبب تفاوتها ۔و قال: ونحن نخالفهم في جميعها إلا القسم الأول لانضباطه وقيام الدليل عليه۔(الاشباه والنظائر للسبکی۱/۱۳۵، ارشاد الفحول للشوکانی ۲/۱۹۶)

ترجمہ : کہتے ہیں ۔ذریعہ کی تین قسمیں ہیں ۔پہلی قسم وہ چیزیں جن کا حرام تک پہنچنا یقینی ہو، وہ شوافع اور مالکیہ دونوں کے نزدیک حرام ہیں ۔دوسری قسم وہ چیزیں جن کے بارے میں یقین ہے کہ وہ حرام تک نہیں پہنچتیں لیکن حرام تک پہنچنے والی چیزوں سے ملی ہوتی ہیں ۔اس قسم میں احتیاطاًاس سے روکنا اوران چیزوں کو جوقطعی طور سے حرام تک نہیں پہنچتی ان چیزوں کے حکم میں ملادینا جویقینی طور سے حرام تک پہنچ جاتی ہیں، (امام تقی الدین سبکی) کہتے ہیں ۔یہ سد ذرائع کے قول میں غلو ہے۔(یعنی اس سے روکا نہیں جائے گا)۔تیسری قسم جس میں پہلی قسم کا بھی احتمال ہو اور دوسری قسم کا بھی احتمال ہو۔ قوت وضعف کی وجہ سے اس کے درجات متفاوت ہیں ۔اس کے درجات کے تفاوت کی وجہ سے فقہاء مالکیہ کے نزدیک ترجیح میں بھی اختلاف ہے۔(امام تقی الدین سبکی) کہتے ہیں کہ پہلی قسم کو چھوڑ کر باقی تمام قسموں میں ہم (یعنی شوافع) مالکیہ سے اختلاف کرتے ہیں (اور اس سے منع نہیں کرتے)۔پہلی قسم چونکہ منضبط ہے اور اس پر دلیل قائم ہے اس لئے اس سے منع کرتے ہیں۔

علامہ زرکشی امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں:

اعلم ان ما يفضي إلى الوقوع في المحظور اما أن يلزم منه الوقوع قطعاً أولا، والاول ليس من هذا الباب، بل من باب مالا خلاص من الحرام إلا باجتنابه ففعله حرام، من باب مالا يتم الواجب إلا به فهو واجب، والذي لايلزم إما أن يفضي إلى المحظور غالباً أو ينفك عنه غالباً أويتساوى الأمران وهو المسمى بالذرائع عندنا۔ فالأول لابد من مراعاته، والثاني والثالث اختلف الاصحاب فيه، فمنهم من يراعيه ومنهم من لايراعيه وربما يسميه التهمة البعيدة والذرائع الضعيفة۔(البحر المحيط ۴/۳۸۲)

ترجمہ : جو چیز حرام تک پہنچاتی ہے اس کی دوصورتیں ہوتی ہیں ۔پہلی صورت یہ ہے کہ اس کے کرنے سے حرام

میں پڑ جانا یقینی ہوتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے کرنے سے حرام میں پڑ جانا یقینی نہیں ہوتا۔

پہلی صورت کا تعلق اس باب سے نہیں ہے۔بلکہ دوسرے باب (قاعدہ) سے اس کا تعلق ہے،وہ (قاعدہ) یہ ہے کہ جس سے اجتناب کے بغیر حرام سے بچنا ممکن نہ ہو اس کا کرنا حرام ہے۔اور ایک باب (قاعدہ) سے ہے کہ جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہو اس کو کرنا واجب ہے۔

دوسری صورت جس میں حرام میں پڑنا یقینی نہ ہو اس کی تین قسمیں ہیں۔(۱) زیادہ تر معاملہ حرام تک پہنچ جاتا ہے۔(۲) زیادہ تر معاملہ حرام تک نہیں پہنچتا۔(۳) دونوں شکلیں ہوتی ہیں یعنی کبھی حرام تک پہنچ جاتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا۔ ان تینوں قسموں کو ذرائع کہا جاتا ہے۔پہلی قسم کی رعایت ضروری ہے،(یعنی اس سے روکا جائے گا) دوسری اور تیسری قسم میں اصحاب کا اختلاف ہے۔بعض نے اس کی رعایت کی ہے (یعنی اس کو ممنوع قرار دیا ہے) اور بعض نے اس کی رعایت نہیں کی ہے (یعنی اس کو مباح قرار دیا ہے) اور اس کو تہمت بعیدہ اور ذرائع ضعیفہ کا نام دیا ہے۔

بیع آجال حنابلہ کے نزدیک بھی حرام ہے۔علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

مسألة: قال: و من باع سلعة بنسيئة لم يجز أن يشتريها بأقل مما باعها به۔ وجملة ذلك أن من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقداً لم يجز في قول أكثر أهل العلم، روى ذلك عن ابن عباس وعائشة، والحسن وابن سيرين والشعبي والنخعي وبه قال ابو الزناد وربيعة وعبد العزيز بن ابي سلمة والثوري والاوزاعي ومالك واسحاق واصحاب الرأى وأجازه الشافعي۔ (المغني لابن قدامة ۲۵۶/۴)

ترجمہ : مسئلہ: جس نے کوئی سامان ادھار بیچا اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اسی سامان کو فروخت کی قیمت سے کم قیمت میں (نقد) خریدے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے کوئی سامان ادھار قیمت میں فروخت کیا پھر اسی کو کم قیمت میں نقد خرید لیا تو اکثر اہل علم کے قول میں یہ جائز نہیں ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ،حضرت عائشہؓ،حسن بصری،محمد بن سیرین،امام شعبی اور امام ابراہیم نخعی سے ایسا ہی مروی ہے۔ابو الزناد،ربیعہ،عبدالعزیز بن ابی سلمہ،امام سفیان ثوری،امام اوزاعی،امام مالک،امام اسحاق اور اصحاب الرای بھی اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔(صرف) امام شافعی نے اس کو جائز کہا ہے۔

علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں بیوع الآجال کی بہت ساری صورتیں ذکر کی ہیں اور ان کے احکام بیان کئے ہیں۔ان میں ایک صورت جس کو ''انظرني ازدك'' کہا جاتا ہے اور ایک صورت جس کو ''ضع وتعجل'' کہا جاتا ہے سب کو ذکر کیا ہے۔

مسالک اربعہ میں سد ذرائع کی چند مثالیں :

سد ذرائع کی مذکورہ تین قسموں میں سے پہلی قسم (جس کا حرام تک مفضی ہونا قطعی ہو یا ظن غالب سے ثابت ہو) کے معتبر ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔شوافع بھی اس کو مانتے ہیں مگر اس کو ایک دوسرے قاعدہ کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ایک قاعدہ ہے، مالا یتم الواجب إلا به فهو واجب. جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہو سکے وہ بھی واجب ہوتا ہے۔اسی طرح قاعدہ ہے۔ مالا خلا ص من الحرام إلا باجتنابه ففعله حرام. جس کو ترک کئے بغیر حرام سے بچنا ممکن نہ ہو اس کو ترک کرنا واجب اور کرنا حرام ہوتا ہے۔ذرائع کی پہلی قسم کو اسی قاعدہ کے تحت رکھتے ہیں کہ حرام سے بچنا اس کو ترک کئے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے۔اس کو سد ذرائع کا نام نہیں دیتے، تیسری قسم کو سد ذرائع کہتے ہیں۔

جس طرح سد ذرائع کی پہلی قسم کے معتبر ہونے یعنی اس سے روکنے پر اتفاق ہے اور سب اس کو ممنوع وحرام کہتے ہیں، اسی طرح سد ذریعہ کی دوسری قسم (جس کا حرام تک مفضی ہونا نادر الوقوع ہو) کے معتبر نہ ہونے اور اس سے نہ روکنے پر بھی اتفاق ہے۔یعنی کوئی بھی اس کو حرام نہیں کہتا ہے۔صرف تیسری قسم میں اختلاف ہے۔شوافع اس کا انکار کرتے ہیں، مالکیہ، حنابلہ اس کا اعتبار کرتے ہیں۔علامہ زرکشی امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں:

سد الذرائع: ذهب اليه مالك واصحابه، وخالفه اكثر الناس تأصيلاً، وعملوا عليه في أكثر فروعهم تفصيلاً۔ (البحر المحيط ۳۸۲/۴، ارشاد الفحول ۱۹۴/۲)

ترجمہ : سد ذرائع کے قول کو امام مالک اور ان کے اصحاب نے اختیار کیا ہے، اکثر لوگوں نے اصول کی حیثیت سے اس کی مخالفت کی ہے مگر تفصیلی طور پر اکثر فروع میں اس پر عمل کیا ہے۔

امام قرافی لکھتے ہیں:

ليس سد الذرائع خاصا بمالك رحمه الله بل قال بها هو اكثر من غيره وأصل سدها مجمع عليه۔ (الفروق للقرافی ۴۶/۳)

ترجمہ : سد ذرائع کا اصول امام مالک کے ساتھ خاص نہیں ہے۔البتہ انہوں نے دوسروں کی بہ نسبت اس پر زیادہ عمل کیا ہے۔سد ذرائع کی اصل پر سب کا اتفاق ہے۔

فقہ مالکی میں سد ذریعہ :

مالکی مسلک میں سد ذریعہ کے معتبر ہونے کی صراحت موجود ہے۔مالکی فقہاء نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ امام ابوالولید باجی، امام قرطبی، امام قرافی وغیرہ نے اس پر کلام کیا ہے۔امام قرافی نے الفروق میں اس کے کچھ مسائل تحریر کئے ہیں۔وہ ہم پیش کرتے ہیں۔

(۱) زنا حرام ہے اور اس کے ذریعہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو دیکھنا بھی حرام ہے۔
(۲) قاضی کا بینہ یا اقرار کے بجائے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ قضاء باطل کا ذریعہ ہے۔
(۳) کسی کاریگر کو کوئی چیز بنانے کے لئے اجرت پر لیا جائے اگر وہ سامان کے ضائع ہو جانے کا دعوی کرے تو اس کو سد ذرائع کے طور پر ضامن بنایا جائے گا۔
(۴) اگر غلہ اٹھا کرلانے والوں سے غلہ برباد ہو جائے تو ان کو ضامن بنایا جائے گا۔یہ بھی سد ذرائع کی وجہ سے ہے۔

وكذلك اختلف فى النظر الى النساء هل يحرم لأنه يؤدى الى الزنا أولايحرم؟ والحكم بالعلم هل يحرم لأنه وسيلة للقضاء بالباطل من القضاة السوء أولايحرم؟ وكذلك اختلف فى تضمين الصناع لأنهم يؤثرون فى السلع بصنعتهم فتتغير السلع، فلايعرفها ربها إذا بيعت فيضمنون سدا لذريعة الاخذ أم لا يضمنون لأنهم أجراء، وأصل الإجارة على الأمانة قولان؟ وكذلك تضمين حملة الطعام لئلا تمتد أيديهم إليه وهو كثير فى المسائل، فنحن قلنا: بسد هذه الذرائع ولم يقل بها الشافعي۔(الفروق للقرافی،الفرق الثامن والخمسون ۴۶/۳)

ترجمہ : عورتوں کو دیکھنے کے بارے میں اختلاف ہے، کیا وہ زنا کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے یا حرام نہیں ہے؟ (قاضی کا) اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا قضاۃ سوء کے قضاء باطل کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے یا نہیں؟ اسی طرح کاریگروں کو ضامن بنانے کے بارے میں اختلاف ہے۔وہ اپنی کاریگری کے ذریعہ سامان میں اثر ڈالتے ہیں جس سے سامان بدل جاتا ہے۔جب اس کو فروخت کیا جاتا ہے تو مالک اس کو پہچان نہیں پاتا۔تو کیا ان کاریگروں کو سد ذریعہ کے طور پر ضامن بنایا جائے گا یا ان کو ضامن نہیں بنایا جائے گا کہ وہ اجیر ہیں اور اجارہ کی بنیاد امانت پر ہوتی ہے۔دونوں قول ہیں۔ اسی طرح غلہ اٹھا کرلانے والوں کو ضامن بنانا تاکہ وہ اس پر ہاتھ دراز نہ کریں۔اس طرح کے بہت سارے مسائل ہیں۔ ہم (مالکیہ) ان مسائل میں سد ذرائع پر عمل کرتے ہیں اور امام شافعی اس کے قائل نہیں ہیں۔

فقہ حنفی میں سد ذرائع کا حکم:

دوسرے مسالک کی طرح فقہ حنفی میں بھی ذرائع کی پہلی قسم کے مسائل میں سد ذرائع پر عمل ہے اور احناف بھی اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ذرائع کی دوسری قسم کا اعتبار نہیں ہے،اس سے نہیں روکا جائے گا۔تیسری قسم کے مسائل میں سد ذرائع پر عمل ہے یا نہیں اس کی صراحت فقہ حنفی کی کتابوں میں نہیں ملتی ہے۔لیکن امام قرافی لکھتے ہیں۔

ووافقنا ابو حنيفة و ابن حنبل فى سد ذرائع بيوع الآجال التى هى صورة النزاع ، وان خالفنا فى تفصيل بعضها، وقال ابوحنيفة: يمتنع بيع السلعة من أب البائع بما تمتنع به من البائع۔(الفروق ۴۳۹/۲)

ترجمہ : امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل نے بیوع آجال سے سد ذرائع میں ہماری (مالکیہ) کی موافقت کی ہے۔(بیوع آجال ذرائع کی تیسری قسم ہے) جس کے جواز میں (مالکیہ اور شوافع کے درمیان) اختلاف ہے۔اگرچہ ان میں سے بعض کی تفصیلات میں انہوں نے ہم سے اختلاف کیا ہے۔امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جو سامان بائع سے فروخت کرنا ناجائز ہے وہ بائع کے باپ سے فروخت کرنا بھی ناجائز ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالکیہ اور حنابلہ کے ساتھ احناف بھی ذرائع کی تیسری قسم بیوع آجال کی حرمت کے قائل ہیں۔پہلی قسم کی حرمت اور دوسری قسم کی اباحت پر تو سب کا اتفاق ہے۔تیسری قسم میں اختلاف ہے۔اس میں مالکیہ اور حنابلہ کی طرح احناف بھی حرمت کے قائل ہیں۔

اس کے علاوہ مسائل پر غور کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف نے بھی بہت سارے مسائل میں سد ذرائع کا اعتبار کیا ہے اور متعدد مسائل میں اس قاعدہ پر عمل کیا ہے۔کہیں حرام کا وسیلہ،کہیں مفضی الی الحرام،کہیں مؤدی الی الحرام سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ہم ذیل میں احناف کی کتب فقہ سے اس کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) اگر کسی شخص نے دوسرے کو شراب پینے یا میتہ کھانے یا اسی طرح کے کسی کام پر مجبور کیا اس طور پر کہ نہ کرنے کی صورت میں جان سے مارنے کی دھمکی دی اور دوسرے شخص کو ظن غالب ہے کہ واقعی وہ ہلاک کردے گا تو اس صورت میں اس کام کو کر کے اپنی جان بچانا واجب ہے اور اس کو نہ کرنا حرام ہے۔اگر اس کام کو نہیں کیا اور جان چلی گئی تو گنہگار ہوگا۔یہ اکراہ علی المعاصی کی ایک قسم ہے۔اس میں جس کام پر مجبور کیا جارہا ہے اس کا ارتکاب کر کے جان بچانا ضروری ہے۔کیونکہ اکراہ کی وجہ سے شراب یا میتہ کی حرمت ختم ہوجاتی ہے،ان کی حیثیت شئ مباح کی ہوجاتی ہے اور اتلاف نفس یعنی جان دینا حرام ہے۔اگر کسی مباح کام ترک کرنے کی وجہ سے جان جارہی ہو تو اس مباح کام کا ترک مباح نہیں رہے گا حرام ہوجائے گا۔کیوں کہ یہ حرام تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔فقہاء کرام لکھتے ہیں:

ان المباح إنما يجوز تركه والاتيان به إذا لم يترتب عليه محرم، وههنا قد ترتب عليه قتل النفس المحرم فصار الترك حراماً، لأن ما أفضى إلى الحرام حرام-(العناية شرح الهداية، كتاب الاكراه- البحر الرائق، كتاب الاكراه)

ترجمہ : مباح فعل کا کرنا اور نہ کرنا اس وقت جائز ہے جب اس پر حرام کا کرنا لازم نہ آتا ہو۔اور یہاں نہ کرنے پر انسانی جان کا قتل لازم آرہا ہے جو حرام ہے،اس لئے ترک حرام ہوگا۔کیونکہ جو چیز حرام تک پہنچاتی ہے وہ حرام ہوتی ہے۔

(۲) معذوروں کے لئے جمعہ کے روز شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دوسرے غیر معذور حضرات بھی جماعت ہوتے دیکھ کر جمعہ چھوڑ کر ان کے ساتھ ظہر پڑھنے لگیں اور یہ جماعت ان کے

جمعہ چھوڑنے کاذریعہ بن جائے۔اس لئے اس جماعت کوفقہاء کرام مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔کیونکہ ترک جمعہ حرام ہے اور یہ جماعت ترک جمعہ کاذریعہ بن رہی ہے۔لکھتے ہیں۔

وكره للمعذور والمسجون اداء الظهر بجماعة في المصر لأن المعذور قد يقتدي به غيره فيؤدي الى تركها... وظاهر كلامهم أن الكراهة في مسألة الكتاب تحريمية لأن الجماعة مؤدية الى الحرام وماأدى اليه فهو مكروه تحريما–(البحر الرائق، شروط وجوب الجمعة)

ترجمہ : معذوروں اورقیدیوں کے لئے (جمعہ کے روز) شہر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ اس وجہ سے کہ غیر معذور بھی معذور کی اقتداء کرنے لگیں گےتو معاملہ جمعہ ترک کرنے تک پہنچ سکتاہے،......فقہاء کے کلام سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ میں کراہت تحریمی ہے، کیونکہ یہ جماعت حرام(ترک جمعہ) تک پہنچاتی ہے اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

(۳) جوان خواتین کونماز کی جماعت کے لئے مسجد جانے کی اجازت نہیں ہے۔کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایاہے اوراس وجہ سے بھی کہ فتنہ حرام ہے اوران کاجماعت کے لئے جانافتنہ کاسبب وذریعہ ہے اور جو چیز حرام تک پہنچنے کاذریعہ ہووہ حرام ہوتی ہے۔

لايباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات بدليل ما روي عن عمر رضي الله عنه أنه نهى الشواب عن الخروج ، ولأن خروجهن الى الجماعة سبب الفتنة ، والفتنة حرام ، وما أدى الى الحرام حرام–(بدائع، بيان من يصلح للامامة)

ترجمہ : جوان عورتوں کو (نماز کی) جماعت میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع کیاتھا۔دوسری دلیل یہ ہے کہ ان کاجماعت کے لئے جانافتنہ کاسبب ہے،فتنہ حرام ہے اور جو چیز فتنہ تک پہنچائے وہ بھی حرام ہوگی۔

(۴) جس طرح دو بہنوں سے ملک یمین میں وطی جائز نہیں ہے اسی طرح ان سے لمس وتقبیل بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ وطی کے دواعی ہیں اور جب ان سے وطی حرام ہے تو دواعی وطی بھی حرام ہیں۔

وكما لا يجوز الجمع بينهما بالوطي لايجوز في الدواعي من اللمس والتقبيل والنظر الى الفرج عن شهوة لأن الدواعي الى الحرام حرام –(بدائع، جمع في الوطي بملك اليمين)

ترجمہ : جس طرح دو(باندی) بہنوں کو وطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح شہوت کے ساتھ ان سے لمس و تقبیل اورفرج کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔کیوں کہ حرام کے دواعی بھی حرام ہوتے ہیں۔

(۵) کسی کافر سے مسلمان خاتون کا نکاح حرام ہے۔کیونکہ بیوی شوہر کے تابع ہوتی ہے اورشوہر کافر ہے تو بیوی بھی

شادی کے بعد کفر کی طرف جاسکتی ہے، اس لئے یہ شادی کفر کی طرف جانے کا ذریعہ اور سبب داعی ہے اور حرام کا ذریعہ حرام ہوتا ہے۔

فان نکاح الکافر المسلمة سببًا داعیًا الی الحرام فکان حرامًا-(بدائع، کتاب النکاح، اسلام الرجل إذا کانت المرأة مسلمة)

ترجمہ : کافر کا مسلمہ سے نکاح حرام کی طرف سبب داعی ہے، اس لئے یہ نکاح بھی حرام ہے۔

(۶) باندی کے استبراء سے قبل اس سے وطی حرام ہے، اسی طرح دواعی وطی لمس وتقبیل بھی حرام ہے۔ کیونکہ لمس وتقبیل وطی کے طرف جانے کا ذریعہ ہیں۔ جب وطی حرام ہے تو اس کا وسیلہ بھی حرام ہے۔

لان الاستمتاع بالدواعی وسیلة الی القربان، والوسیلة الی الحرام حرام-(بدائع، کتاب الاستحسان)

ترجمہ : کیوں کہ دواعی (لمس وتقبیل) کا استعمال وطی کا وسیلہ ہے، اور حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے۔

(۷) ذی رحم محرم (قریبی رشتہ دار جو محرم بھی ہو جیسے بھائی، بہن) کے یہاں چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا اس کے ساتھ قطع رحمی ہے اور قطع رحمی حرام ہے تو ہاتھ کاٹنا جو قطع رحمی کا ذریعہ ہے یہ بھی جائز نہیں ہوگا۔

ولاقطع علی من سرق من ذی رحم محرم عندنا ..... ولأن القطع بسبب السرقة فعل یفضی الی قطع الرحم وذلك حرام، والمفضی الی الحرام حرام-(بدائع، کتاب السرقة)

ترجمہ: قریبی رشتہ دار جو محرم بھی ہو اس کے یہاں جس نے چوری کی احناف کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا......اس لئے کہ چوری کی وجہ سے (قریبی رشتہ دار کا) ہاتھ کاٹنا ایسا فعل ہے جو قطع رحمی تک پہنچتا ہے، قطع رحمی حرام ہے، اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔

فقہ شافعی میں سد ذریعہ:

شافعی مسلک میں سد ذرائع کی صرف پہلی قسم معتبر ہے اور اس سے منع کیا جاتا ہے۔ تیسری قسم جو زیر بحث ہے اور محل نزاع ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے اور اس کی اباحت کا حکم دیا جاتا ہے۔ لیکن فقہ شافعی میں بعض صورتیں ایسی ملتی ہیں جن میں سد ذرائع کی وجہ سے حرمت یا کراہت کا حکم لگایا گیا ہے۔ مثلاً جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ شراب بناتا ہے اس سے پھلوں کا جوس فروخت کرنا، جو نبیذ بناتا ہو اس سے کھجور فروخت کرنا اور جو اسلحہ کا ناجائز استعمال کرتا ہو اس سے اسلحہ فروخت کرنا مکروہ ہے۔ ایک قول اس کے حرام ہونے کا بھی ہے۔ اسی طرح وہ تمام تصرف جو معصیت تک پہنچاتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے۔

قال اصحابنا: یکرہ بیع العصیرلمن عرف باتخاذ الخمر، والتمر لمن عرف باتخاذ النبیذ، والسلاح لمن عرف بالعصیان بالسلاح ..... و کذا کل تصرف یفضی الی معصیة- (المجموع شرح المهذب، باب ما نهی عنه من بیع)

ترجمہ : ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں ۔جو شراب کے کاروبار میں معروف ہو اس سے پھلوں کے جوس کی بیع مکروہ ہے ۔جو نبیذ بنانے میں معروف ہو اس سے کھجور کی بیع مکروہ ہے ۔جو اسلحہ کا ناجائز استعمال کرتا ہو اس سے اسلحہ کی بیع مکروہ ہے......اسی طرح وہ تمام تصرفات جو معصیت تک پہنچاتے ہیں ۔

فقہ حنبلی میں سد ذریعہ :

مالکی مسلک کے بعد حنبلی مسلک میں بھی سد ذریعہ کی تیسری قسم معتبر ہے یعنی اس کی حرمت کا حکم دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ بیوع آجال جس طرح مالکیہ کے نزدیک حرام ہے حنابلہ کے نزدیک بھی حرام ہے ۔علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر کرتے ہیں ۔

(۱) من باع سلعة بثمن مؤجل ثم اشتراها بأقل منه نقداً لم يجز ۔ (المغنی ۴/۲۷۷)

ترجمہ : جس نے سامان ادھار قیمت پر فروخت کیا پھر اسی سامان کو اس سے کم قیمت پر نقد خرید لیا تو یہ جائز نہیں ہے ۔

(۲) فقہ حنبلی میں حالت احرام میں نکاح حرام ہے، اسی طرح حالت احرام میں خطبہ یعنی نکاح کا پیغام دینا بھی حرام ہے کیونکہ یہ حرام (احرام میں نکاح) کا سبب و ذریعہ ہے ۔جیسے حالت احرام میں شکار کرنا منع ہے تو اس کے ذریعہ ہونے کی وجہ سے شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی حرام ہے ۔

وتكره الخِطبة للمحرم ... ولأنه تسبب الى الحرام فأشبه الاشارة الى الصيد۔(المغنی: ۳/۳۱۸)

ترجمہ : جو شخص حالت احرام میں ہے اس کو نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ حرام (یعنی احرام میں نکاح) تک جانے کا سبب ہے تو یہ (حالت احرام میں) شکار کی طرف اشارہ کرنے کے مشابہ ہوا ۔

(۳) اعتکاف کی حالت میں وطی حرام ہے تو اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے دواعی وطی بھی حرام ہے ۔

ولأنه لايأمن إفضاءها الى فساد الاعتكاف وما أفضى الى الحرام حرام ۔ (الشرح الكبير لابن قدامة ۳/۱۴۵)

ترجمہ : اس لئے کہ دواعی وطی سے معاملہ اعتکاف کے فاسد ہونے تک پہنچ سکتا ہے ۔اور جو چیز حرام تک پہنچائے وہ حرام ہوتی ہے ۔

(۴) حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے تو اس کی دلالت و اشارہ اور اس کی اعانت بھی شکار کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے ۔

و يحرم عليه أى على المحرم الدلالة عليه أى الصيد والاشارة والاعانة ...لأنه وسيلة الى الحرام فكان حراماً كسائر الوسائل۔(كشاف القناع للبهوتى، فصل قتل صيد البر المأكول)

ترجمہ : جو حالت احرام میں ہو اس پر شکار کی دلالت و اشارہ اور اعانت سب حرام ہے...... کیونکہ یہ چیزیں حرام (یعنی حالت احرام میں شکار) تک جانے کا ذریعہ ہیں لہذا دیگر وسائل کی طرح یہ بھی حرام ہوں گی ۔

فتح ذرائع کی حقیقت :

عام طور سے فتح ذرائع کی بحث فقہاء کی کتابوں میں اس نام سے نہیں ملتی، البتہ امام قرافی نے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں فتح ذرائع کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے:

المراد بفتح الذرائع تیسیر السبل الی مصالح البشر۔ (الموسوعة الفقهية ۲۸۱/۲۴)

ترجمہ : فتح ذرائع سے مراد انسانی مصالح حاصل کرنے کے راستوں کو آسان بنانا ہے۔

امام قرافی فتح ذرائع کے ذکر میں لکھتے ہیں:

قد تکون وسیلة المحرم غیر محرمة اذا افضت الی مصلحة راجحة۔ (الفروق ۴۷/۳)

ترجمہ : کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی حرام کام وسیلہ و ذریعہ ہو وہ تو اس وقت حرام نہیں ہوتا ہے جب اس سے مصلحت راجحہ حاصل ہو رہی ہو۔

اس سے فتح ذرائع کا مفہوم واضح ہوتا ہے کہ اصلاً وہ فعل جائز نہیں ہے لیکن وہ کسی دوسری بڑی مصلحت کا ذریعہ ہے اور اس سے کوئی بڑا فائدہ حاصل ہو رہا ہو تو اصلاً حرام ہونے کے باوجود وہ فعل جائز ہوگا۔ امام قرافی لکھتے ہیں:

تنبیه ۔ اعلم ان الذریعة کما یجب سدها یجب فتحها، وتکره، وتندب، وتباح، فان الذریعة هی الوسیلة فکما ان وسیلة المحرم محرمة فوسیلة الواجب واجبة کالسعی للجمعة۔ (الفروق ۴۶/۳)

ترجمہ : تنبیہ۔ جس طرح کبھی ذریعہ کو روکنا واجب ہوتا ہے اسی طرح کبھی ذریعہ کو کھولنا بھی واجب ہوتا ہے۔ کبھی مکروہ، کبھی مندوب اور کبھی مباح بھی ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ ذریعہ وسیلہ ہے، جیسے حرام کا وسیلہ حرام ہوتا ہے اسی طرح واجب کا وسیلہ واجب ہوتا ہے جیسے جمعہ کے لئے سعی (یعنی جب جمعہ واجب ہے تو اس کی سعی بھی واجب ہوگی)۔

اس کے دلائل قرآن وحدیث سے یہ پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو اللہ تعالی نقل فرماتا ہے:

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ – (یوسف)

ترجمہ : حضرت یوسفؑ (مصر کے بادشاہ سے) کہتے ہیں کہ مجھے خزانے کا ذمہ دار بنا دیجئے، میں حفیظ وعلیم ہوں۔

یہاں پر دو چیزیں قابل غور ہیں۔ پہلی چیز یہ کہ خود سے کوئی عہدہ طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ خود سے اپنی تعریف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے ''فلا تزکوا انفسکم'' (النجم: ۳۲) لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے زیادہ بڑی مصلحت عوام الناس کا فائدہ اور ان کی ضروریات کی تکمیل کو دیکھا تو خود سے عہدہ طلب کیا اور اپنی صفت خود بیان فرمائی۔

(۲) حدیث میں جھوٹ کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے۔

لایحل الکذب الا فی ثلاث، یحدث الرجل امرأته لیرضیها، والکذب فی الحرب، والکذب لیصلح بین الناس۔(ترمذی، باب ماجاء فی اصلاح ذات البین)

ترجمہ : جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔جھوٹ بولنے کی اجازت صرف تین صورتوں میں ہے۔کوئی شخص اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے غلط بیانی کرے۔میدان جنگ میں جھوٹ بولنا(جس سے دشمنوں کو شکست ہو)،لوگوں کے درمیان اصلاح کی نیت سے غلط بیانی کرنا۔

جھوٹ حرام ہے کیونکہ وہ بہت سے مفاسد اور خرابیوں کا ذریعہ ہے مگر جھوٹ بولنے سے کوئی بڑی مصلحت حاصل ہورہی ہو، یا عمومی اعتبار سے کوئی بڑا فائدہ حاصل ہورہا ہو تو اس کی اجازت دی گئی ہے۔

امام قرافی نے فتح ذرائع کی متعدد مثالیں دی ہیں۔

(۱) پہلی مثال یہ ہے مسلم قیدیوں کو چھڑانے کے لئے کفار کو مال دینا یعنی مسلم قیدیوں کا زرفدیہ ادا کرنا۔اصل یہ ہے کہ کفار کو مال دینا حرام ہے کیونکہ اس کو وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے۔لیکن مسلمان قیدیوں کو چھڑانا زیادہ ضروری ہے،اس لئے مصلحت راجحہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت ہے۔

(۲) دوسری مثال یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی عورت سے زنا کرنے سے روکنے کے لئے مال دینا۔اس کو مال دینا بہت سے مفاسد کا ذریعہ ہے مگر عورت کی زنا سے حفاظت زیادہ اہم ہے۔

(۳) ایک مفسد شخص جو جان لینے پر آمادہ ہے اس کو مال دے کر اپنی جان بچانا۔یہ بھی مصلحت راجحہ کے لئے وسیلہ مفاسد کا ارتکاب ہے۔امام قرافی ان مثالوں کو پیش کرکے فرماتے ہیں۔

فهذه الصور کلها الدفع وسیلة الی المعصیة باکل المال ومع ذلك مامور به لرجحان مایحصل من المصلحة علی هذه المفسدة۔(الفروق ۶۲/۲)

ترجمہ : ان تمام صورتوں میں مال دینا حرام طریقہ سے مال کھانے کا ذریعہ ہے،اس کے باوجود اس کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ اس مفسدہ وخرابی سے وہ مصلحت وفائدہ زیادہ بڑا ہے جو اس سے حاصل ہورہا ہے۔

فقہ اسلامی کے ایک اہم اصول سد ذرائع سے متعلق او پر کچھ تفصیلات پیش کی گئی ہیں جس سے اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ شریعت اسلامی کے بہت سے مسائل اس اصول پر متفرع ہوتے ہیں۔اسی طرح فتح ذرائع کا بھی مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

****

قرآن کریم کے نصوص کی غلط تفہیم کا ازالہ

● مولانا شاہ عبد الغنی محمد عطیف قادری بدایونی—— زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں، یوپی

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے قرآن نازل فرمایا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نبی حضور ﷺ نے ہمیں مکمل قرآن دیا ہے۔ اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ماضی اور مستقبل کی خبریں ہیں اور احکامات ہیں، نصیحت ہے، قانون ہے، اخلاقیات ہے، عقائد کی بات ہے۔ غرض یہ کہ اصلاح اور کامیابی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے، لہٰذا اس کو سمجھنے کے لیے عربی زبان جاننا بہت ضروری ہے۔ جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں، وہ اس کو دوسروں کے مقابلے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ مگر چوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کا معنی اور مراد سب سے بہتر اللہ ہی جانتا ہے اور اس کے بتانے سے اس کے رسول محمد مصطفی ﷺ جانتے ہیں اور ان کے بتانے سے ان کے اصحاب کرام جان گئے۔ تو اب قرآن کی تفسیر کے تین مصدر ہوئے، سب سے پہلے تو خود قرآن اپنی کسی آیت کا معنی و مراد خود بیان کردے تو وہ معنی و مراد متعین ہو جائیں گے۔ پھر احادیث میں تلاش کیا جائے گا، پھر اقوال صحابہ میں تلاش کیا جائے گا۔ تو اس طرح قرآن کی تفسیر کا سلسلہ دراز ہوگا۔ صحابہ کے بعد تابعی کے اقوال کا نمبر آتا ہے (مگر اس میں کچھ شروط بھی ہیں۔ بنا شروط کے تابعی کے اقوال حجت نہیں ہوں گے)۔ تفسیر کے لیے علوم قرآن کا جاننا بہت ضروری ہے، ورنہ تفسیر میں خطا واقع ہوگی۔

اب جو لوگ قرآن کا معنی کسی دوسری زبان میں بیان کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ ان سب باتوں کا خیال رکھیں ورنہ معنی کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ قرآن میں بعض مقامات پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ عربی زبان بہت اچھی طرح جانتے ہیں پھر بھی اگر علوم قرآن سے آگاہی نہ ہو تو خطا واقع ہو جاتی ہے۔ مثلاً:

(۱) سبب نزول کی معرفت یعنی یہ جاننا کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی؟

(۲) آیات کے درمیان مناسبت کیا ہے؟

(۳) علم المتشابہ

(۴) علم المبہمات

(۵) علم اصول فقہ

(۶) ناسخ ومنسوخ کی معرفت

(۷) محکم اور متشابہ کو جاننا

(۸) معرفت اعجاز

(۹) یہ جاننا کہ خطاب کس سے کیا جا رہا ہے؟ مثلاً:

(الف) کبھی خطاب عام ہوتا ہے اور اس کی مراد بھی عام ہے۔

(ب) خطاب خاص ہے اور مراد بھی خاص۔

(ج) خطاب خاص اور مراد عام۔

(د) خطاب عام اور مراد خاص۔ اور پھر یہ جاننا کہ واحد کے صیغہ سے جمع کو خطاب یا جمع کے صیغہ سے ایک کو خطاب وغیرہ۔

(۱۰) حقیقت اور مجاز کو جاننا۔ یہ بہت ضروری ہے ورنہ تفسیر میں خطا لازمی طور پر ہو جائے گی۔

غرض یہ کہ علوم قرآن کو جانے بغیر قرآن کی تفسیر اور آیت کی مراد و معنی بیان کرنا درست نہیں۔ اس تمہید کے بعد ہم یہاں کچھ آیات کے ترجمہ کی مثالیں پیش کریں گے جو آج کل سوشل میڈیا پر خوب گردش کر رہی ہیں اور علوم قرآن نہ جاننے کی وجہ سے اس میں خطا ہوگئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ ۔ (البقرۃ)

''اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ اور نکال دو انہیں جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ جنگ کرو ان سے مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں۔ تو اگر وہ لڑیں تم سے تو پھر قتل کرو انہیں، یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔''

اس کے بعد فوراً آیت: ۱۹۲ میں کہا گیا ''پھر اگر وہ باز آجائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔

اسی طرح اللہ قرآن میں فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝۱۹۰ – (البقرۃ)

”اور لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا زیادتی کرنے والوں کو۔“

اب ذرا ان آیات کے نازل ہونے کا موقع ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لوگ کہ جن پر بارہ تیرہ سال مسلسل ظلم ہوا، ان کو مارا گیا، ان کو بے گھر کیا گیا، ان کو شہر سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ اور یہ مظلوم خاموشی سے سب برداشت کرتے رہے۔ اب ان کو اجازت دی جا رہی ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے۔

قرآن کریم کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں چیزوں کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے:

(۱) کس مقصد کے لیے؟

(۲) کس کے ساتھ؟

(۳) اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے؟

ان آیتوں میں تینوں امور کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مقصد جہاد کے تعلق سے فرمایا: ”فی سبیل اللہ“ اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ظلم کے خلاف، نہ کہ لوٹ مار کے لیے، نہ کہ تجارتی و صنعتی رقابت نہ کہ وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس قسم کے سفلی مقاصد۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ: ”الذین یقاتلونکم“ جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔

اور اس شرط کے ساتھ: ”لا تعتدوا“ کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا، آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے، خبردار! اس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرنا کیوں کہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ عورتوں، معصوم بچوں، اپاہجوں، بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں اور راہبوں (دھرم گرو) پر ہاتھ اُٹھانے سے اسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں)۔

اسلام کے پہلے خلیفہ حضرت صدیق اکبر جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لیے پیدل ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھل دار درختوں کے کاٹنے، اونٹوں اور دودھ دینے والے جانوروں کو بلا ضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔ جو لوگ اسلام کے نظریہ جہاد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، وہی انصاف سے بتائیں کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی گزری ہے یا آج کی مہذب دنیا میں کوئی قوم ایسی ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو؟ آج تو جنگ شروع ہوتی ہے تو پُر امن شہریوں اور آبادیوں، بستیوں پر بم گرائے جاتے ہیں، عورتوں، معصوم بچوں، بوڑھوں، بیماروں کسی سے درگزر نہیں کیا جاتا۔ اسپتالوں، اسکول، کالجوں، عبادت خانوں تک کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

اب ہم ان آیات کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایک خاص موقع کے لیے ہیں نہ کہ عام حالات کے لیے، تو ان آیات کا ادھورا یا غلط مطلب بیان کر کے اسلام کو بدنام کرنا کسی طرح بھی امن پسندانہ ذہنیت کی علامت نہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں بے امنی پھیلانا چاہتے ہیں۔ ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ قرآن اسلامی قوانین بھی سکھاتا ہے۔ تو یہ بھی ایک اسلامی قانون ہے جو اسلامی حکومت کے لیے ہے کہ اس طرح کے جنگ کے حالات اگر پیدا ہو جائیں تو اسلامی حکومت کیا کرے؟ تو قانون بتا دیا گیا کہ زیادتی نہ کرو، جو تم سے جنگ کرے، اس سے جنگ کرو۔ جیسے ہر ملک میں قانون ہیں اور ہر ملک اپنی حفاظت اور اپنے عوام کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے، اپنے اپنے حساب سے ملکوں میں قوانین بنائے جاتے ہیں اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومت اپنے ملک کے امن وسکون کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے ہی شہریوں کو سزا دیتی ہے، جو شہری ملک کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ مثلاً کسی شہر میں دنگا ہو جائے لوگ آپس میں مارکاٹ مچا دیں تو ایک موقع ایسا بھی آ جاتا ہے کہ پولیس فورس کو گولی چلانے کا حکم دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں لاشوں کے انبار لگ جاتے ہیں جس کو ''شوٹ ایٹ سائٹ'' کہا جاتا ہے۔ یا کبھی کوئی باہر سے ملک میں گھس آئے اور ملک میں قتل وغارت گری کر دے تو اس کو بھی مارا جاتا ہے، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ فلاں ملک میں یہ قانون ہے کہ عوام کو یا جو غیر ملکی جہاں ملے اسے مار دیا جائے؟ اول تو کوئی عقل منداس طرح کی بات نہیں کہے گا اور اگر کوئی کہتا بھی ہے تو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ عام حالات اور پُر امن حالات کی بات نہیں ہے، یہ ایک خاص موقع کی بات ہے۔ تو پھر اسلام کے ساتھ ایسا کیوں کہ اسلام کے قوانین جو ایک خاص جنگ کے موقع کے لیے ہیں، ان کو عام حالات کے لیے بیان کرنا اور یہ کہنا کہ اسلام کسی انسان کو جہاں مل جائے وہاں قتل کرنے کا حکم دیتا ہے، سراسر غلط ہے۔ اگر یہ بات جاہلوں میں ہو تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ قانون کیا ہے اور کیوں ہے؟ افسوس تو تب ہوتا ہے جب قانون جاننے والے پڑھے لکھے لوگ اس طرح کی بات کرتے ہیں۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام کے خلاف نفرت کا کیسا زہر پھیلایا جا رہا ہے۔

اس پوری تفصیل کے بعد اب دیکھیں کہ کسی نے اسلام کو بدنام کرنے کے غرض سے آیت نمبر ۱۹۱ کا انگریزی ترجمہ اس طرح کر دیا:

"slay the unbelievers wherever you find them"

(جہاں کہیں بھی غیر مسلموں کو پاؤ ان کو قتل کر دو۔)

اسی طرح ایک جگہ پر قرآن مجید نے کہا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ —(آل عمران/۲۸)

''نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست مومنوں کو چھوڑ کر۔''

اب اس آیت کا یہ معنی بیان کرنا کہ قرآن نے مسلمانوں کو غیر مسلم سے تعلقات رکھنے سے منع کر دیا ہے، غلط ہے۔ کیوں کہ اس آیت کا ایک خاص موقع ہے اور جو اس آیت میں کہا گیا ہے۔آج تقریباً دنیا کا ہر ملک اسی طرح کی بات اپنے شہریوں سے کہتا ہے اور اسی پر عمل کراتا ہے۔اس آیت کے جو نازل ہونے کے موقع بتائے گئے ہیں ان پر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آسانی سے آجائے گی۔شان نزول میں کئی اقوال ہیں، ہم مثال کے طور پر ایک کو پیش کر رہے ہیں:

مدینہ کے رہنے والے یہودیوں کا ایک گروہ مدینہ کے مسلمانوں سے اس لیے دوستی رکھتا تھا کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرسکے تو رفاعہ ابن منذر، عبداللہ ابن جبیر اور سعید بن خثیمہ نے ان مسلمانوں سے کہا: ان یہودیوں سے بچو اور ان کی دوستی سے باز رہو تاکہ یہ تمہیں تمہارے دین سے دور نہ کرسکیں۔پھر بھی وہ لوگ ان سے میل ملاپ میں لگے رہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اب ذرا غور کریں کہ یہودی مدینہ میں مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کی سازشیں کر رہے تھے تاکہ اسلامی حکومت کو ختم کرسکیں اور مسلمانوں کو اس دنیا سے مٹا دیں اور مسلمانوں کے راز مکہ والوں ں کو بتا دیں تاکہ مکہ والے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکے۔تو ان سے کہا گیا کہ ایسے لوگوں سے دوستی مت رکھو۔اب اسی بات کو دنیا کی ہر حکومت کہتی ہے کہ جن لوگوں سے ملک اور قوم کو خطرہ ہو، جو ملک اور حکومت کے خلاف سازشیں کرنے والے ہیں، ان سے دوستی نہ رکھو، ان کو ملک کے راز نہ بتاؤ، ان کی مدد نہ کرو، تو اس میں اعتراض کرنے کی کیا بات ہے؟ اور رہی بات تعلقات کی، امن و امان سے رہنے کی اور ترقی کرنے کی، تو اسلام نے کب منع کیا؟ ہاں! اسلام نے عزت سے رہنے کی بات کی ہے اور غیر مسلم حکومت کے ساتھ تجارت کرنا یا عام انسانی فلاح و بہبود کے کاموں میں سب کے ساتھ مل کر تعاون کرنا عالمی امن و سلامتی کی بقا کے لیے مل کر کوشش کرنا اور غیر مسلم کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اسلام میں کہیں اس کو منع نہیں کیا گیا ہے۔

اب ذرا اس آیت کا انگریزی ترجمہ دیکھیں اور انصاف کریں۔

"Muslims must not take the infidels as friends"

(مسلمانوں کو غیر مسلموں سے دوستی نہیں کرنی چاہیے۔)

اس طرح سورہ آل عمران کی ایک اور آیت کو بھی اعتراض کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

اللہ نے فرمایا:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۸۵ –(آل عمران)

’’اور اگر تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے اور وہ قیامت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا‘‘۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت پر اعتراض کی کیا وجہ ہے؟ یہاں اللہ فرما رہا ہے کہ اللہ کے یہاں دین اسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہوگا۔ یعنی اللہ کو دین اسلام ہی پسند ہے، تو اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے جو اللہ کو نہیں مانتا، جو اسلام کو نہیں مانتا اس کو اس بات سے کیا لینا دینا کہ اللہ کون سے دین کو پسند کرتا ہے، ہاں جو اللہ کو مانتے ہیں اس پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ غور کریں کہ جب اللہ پر ایمان کا دعویٰ ہے تو پھر اس دین کو مانو جس کو اللہ پسند کرتا ہے۔ اس آیت میں یہ تو نہیں کہا گیا کہ جو اسلام کو نہیں مانتا اس کو مار دو یا اس کو لوٹ لو یا اس قسم کی کوئی اور بات تو اس آیت کو کسی اور مطلب کے ساتھ پیش کرنا درست نہیں۔

اب اس تشریح کے بعد اس کا انگریزی ترجمہ دیکھیں:

"Any religion other than Islam is not acceptable"

(اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین قبول نہیں کیا جائے گا)

ایسے ہی قرآن مجید کی ایک اور آیت کو بھی پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کتنا ظلم ہے اور آتنک واد کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ آپ خود آیت پڑھ کر اور اس کا صحیح معنی وتفسیر پڑھ کر فیصلہ کریں کہ کیا درست ہے اور کیا غلط۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَاَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ؕ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ ۔ (المائدة)

”بلا شبہ ان لوگوں کی سزا جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف طرفوں سے کاٹے جائیں یا جلا وطن کر دیے جائیں، یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بڑی سزا ہے“۔

ہمیں حیرت ہے کہ یہ آیت کیا بات کر رہی ہے اور اعتراض کرنے والے کیا سمجھ کر اعتراض کر رہے ہیں۔ اسلام سے دشمنی اور عناد ان لوگوں کو کہاں لے آیا کہ وہ لوگ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ آیت صرف غیر مسلم کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی ہے یعنی اسلامی حکومت میں بسنے والے جو بھی ہیں سب کے لیے ان جرائم کی یہی سزا ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

قرآن یہاں قانون دے رہا ہے کہ جو لوگ اسلامی حکومت میں رہتے ہیں وہ اگر کسی کو قتل کریں، لوٹ پاٹ کریں، دہشت پھیلائیں، بدامنی کو بڑھاوا دیں تو یہ سزا دی جائے گی کیوں کہ ان سب باتوں سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے تو گویا یہ کام کرنا اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت ہے۔ اس کو اللہ اور رسول سے جنگ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تو جان لیا جائے کہ یہ سزا دین کی بنیاد پر نہیں بلکہ جرم کی بنیاد پر ہے اور وہ مجرم کون ہیں؟ تو جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ اس طرح کی سزا کے مستحق ہوں گے:

(۱) وہ بندوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔

(۲) آبادی سے باہر راستے یا صحرا میں ڈاکہ ڈالیں یا شہر میں لوٹ پاٹ کریں۔

(۳) وہ چھپ کر نہیں بلکہ برملا کھل کر حملہ آور ہو کر لوٹ مار کریں۔

ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے چار سزائیں مقرر کی ہیں:

(الف) انہیں قتل کر دیا جائے۔

(ب) انہیں سولی دے دیا جائے۔

(ج) ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے۔

(د) انہیں قید کر دیا جائے اور بھی اس کی تفصیل اسلامی شریعت میں ہے۔

اب بتائیے کہ اس مبارک آیت کا انگریزی میں یہ ترجمہ کیا جائے؟:

"Maim and crucify infidels if they criticize Islam"

(اگر کافر اسلام پر تنقید کرتے ہیں تو ان کو اپاہج بناؤ اور سولی پر چڑھاؤ)

اب انصاف سے بتائیے کہ یہ ترجمہ صحیح ہوگا؟ ہرگز صحیح نہیں ہوگا، یہ بالکل غلط ہے۔ اب اس طرح قرآن کی آیات کا غلط مطلب بتا کر یہ کہنا کہ اسلام آتنک واد کو بڑھاوا دیتا ہے، کتنا غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ اس آیت سے تو آتنگ واد کو مٹایا جا رہا ہے۔ اگر اس طرح کی سزا دنیا کا ہر ملک ان مجرموں کو دینے لگے تو پوری دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اس آیت پر اعتراض کر رہے ہیں انھوں نے اس آیت سے پہلے والی آیت یعنی آیت نمبر ۳۲ کو نہیں پڑھا، جس میں فرمایا گیا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۔(المائدۃ:۳۲)

”جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوا قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا کسی جان کو تو گویا اس نے بچا لیا تمام انسانوں کو“۔

ہم یہاں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے آپ خود اسلام کے پیغام امن کو سمجھ سکتے ہیں۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں۔ بس یہاں ہم آیت کا مفہوم آسان زبان میں واضح کرتے ہیں۔ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے کسی بے قصور کا قتل کیا تو گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور اگر کوئی کسی ایک کی جان بچائے تو گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی۔

اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ کیا اسلام دہشت گردی پھیلاتا ہے یا امن و شانتی کا نام اسلام ہے۔

اسی طرح سورۂ انفال کی ایک آیت پر بھی لوگوں کو سخت اعتراض ہے اور بالکل غلط اور بے بنیاد مطلب بیان کر دیا ہے۔

آیت یہ ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ -(الانفال)

''یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں رعب، سوتم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر''۔

اس آیت میں جنگ بدر کی بات ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب جنگ کرنے کے ارادے سے نہیں تھے اور نہ ہی جنگ کا ساز وسامان ان کے پاس تھا اچانک یہ خبر ملی کہ ابوجہل (جو مکہ کے سرداروں میں سے تھا) لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے آرہا ہے۔ جب یہ خبر ملی تو بعض لوگوں کو اتنے بڑے لشکر جو تمام جنگی ساز وسامان سے مسلح تھا جنگ کرنا خلاف مصلحت دکھائی دیا۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی ذفران میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو آپ کے اصحاب نے جس بہادری کا اظہار کیا اس سے تمام مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور کوئی خوف باقی نہ رہا۔ اب اتنی بات تو سمجھ میں آ گئی کہ یہاں بھی مسلمانوں نے جنگ کی ابتدا نہیں کی جب مکہ والے ابوجہل وغیرہ لشکر لے کے مدینہ کے قریب آ گئے تو مسلمانوں نے اپنی حفاظت کے لیے جنگ کی، جب کہ مسلمانوں کے پاس بظاہر جنگ کا سامان بھی نہیں تھا۔ اس سے یہ سبق ملا کہ جب کوئی دشمن آپ کے وطن پر حملہ کر دے تو ڈر اور خوف نہ کریں بلکہ ہمت سے اس کا مقابلہ کیا جائے اپنی اور اپنے وطن کی حفاظت کی جائے اور شہید ہونے کا جذبہ دل میں بیدار رکھا جائے۔ ہر ملک یہ چاہتا ہے کہ اس کے سپاہی اپنے وطن کی حفاظت کریں اور دشمن سے بالکل نہ گھبرائیں اور اپنے ملک اور اپنے شہریوں کی حفاظت کی خاطر شہید ہونے کا موقع آجائے تو پیچھے نہ ہٹیں۔

اور اس سے پہلے کی آیت نمبر ۹ میں اللہ نے بتایا کہ اللہ نے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کی جس سے مسلمانوں کے دلوں کو بہت تسکین ہوئی کیوں کہ مسلمانوں کے مقابلے پر مکہ والوں کا لشکر بہت بڑا اور تمام ساز وسامان سے مسلح تھا تو فرشتوں کی مدد سے نہتے مسلمانوں کو بہت اطمینان ہوا۔

پھر آیت نمبر ۱۱ میں جو بیان ہوا، اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب مکہ والے لشکر لے کر میدان بدر میں پہلے پہنچ گئے تو انہوں نے بہت اچھی اور مناسب جگہ اپنے خیمے لگائے اور پانی پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسلمان جب وہاں پہنچے تو سوائے ریت کے ٹیلوں کے اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پڑاؤ ڈالیں، پانی کی بھی سخت قلت تھی۔ اس عجیب وغریب صورت حال سے مسلمانوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ادھر شیطان مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے لگا کہ تم اپنے آپ کو خدا کا مقرب سمجھتے ہو۔ اب دیکھو کہ کیا مقربین خدا کا یہی حال ہوتا ہے تو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ان تکلیفوں کو دور فرما دیا۔ وہ اس طرح کہ جس صبح جنگ ہونی تھی اس رات کو بادل گھر آئے اور موسلا دھار بارش ہو گئی اور وادیاں لبریز ہو کر بہنے لگیں۔ مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی

جمع کرلیا تو پانی کی قلت دور ہوگئی اور اس رات اللہ نے مسلمانوں پر مسلط کردی۔ رات بھر مسلمان خوب سوئے، صبح اٹھے تو بالکل تروتازہ تھے۔ تھکن اور افسردگی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ دشمنوں کا رعب اور ہیبت دلوں سے دور ہو چکی تھی۔

اس تفصیل کے بعد آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اسلام نے کیا غلط کیا؟ کیا مسلمان مکہ والوں کا مقابلہ نہ کرتے اور خاموشی سے مرجاتے؟ کیا مکہ والوں کی غلامی کرتے اور ان کے ظلموں کو ایسے ہی سہتے رہتے؟ کیا مسلمان مکہ والوں کو اپنا مال، گھر، اولاد سونپ دیتے؟ یہ سب بزدلی اور کمزوری کی باتیں ہیں، دنیا کی کون سی قوم ہے جو اس طرح کا ظلم برداشت کرتی ہے؟ جواب آپ کے دل میں موجود ہے کہ اس طرح کا ظلم وستم کوئی برداشت نہیں کرتا اور جس میں ذرا سی بھی ہمت اور بہادری ہوگی، وہ یہی کرے گا جو بدر کے میدان میں مسلمانوں نے کیا۔

اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ کچھ لوگوں نے اسلام کو نشانہ بناتے ہوئے اس آیت کا انگریزی میں یہ مطلب بیان کیا:

"Terrorize and behead those who believe in scriptures other than the Quran"

(ان لوگوں کو دہشت زدہ کرو اور ان کے سر قلم کرو جو قرآن کے علاوہ دوسری کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔)

اس آیت کا یہ ترجمہ بھی سراسر غلط ہے اور ایسا مطلب بیان کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا جارہا ہے۔

اسی طرح سورہ انفال کی ایک اور آیت کا انتہائی عجیب وغریب مطلب بیان کیا جارہا ہے۔

اللہ نے فرمایا:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ —(الانفال)

’’اور تیار رکھو ان کے لیے جتنی استطاعت رکھتے ہو قوت وطاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے تاکہ تم خوفزدہ کردو اپنی جنگی تیاریوں سے، اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور دوسرے لوگوں کو ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انھیں اللہ جانتا ہے انھیں اور جو چیز خرچ کروگے راہِ خدا میں اس کا اجر پورا دیا جائے گا تمھیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا‘‘۔

اب اگر اس آیت کے پس منظر کو فراموش بھی کردیں تو اس بات کا جواب دیں کہ کوئی حکومت اپنے دشمن کو یہ جتانے کے لیے کہ ہم کمزور نہیں ہیں، ہمارے پاس بھی طاقت ہے، اپنے ہتھیاروں کی نمائش کرے اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے اسلحہ جمع کرے تو اس میں کون سا آتنک واد ہے؟ اور کس پر ظلم ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ضروری ہے اور اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر اسلحہ ہر ملک اور ہر حکومت جمع کرتی ہے اور کرنا بھی چاہیے۔ یہ کام تو ہر قوم اور ہر حکومت کرتی ہے تو صرف اسلام پر ہی اعتراض کیوں؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں کا غلط مطلب بتایا جارہا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی

نفرت ڈالی جارہی ہے، اس ڈر سے کہ کہیں لوگ اسلام کی سچائی اور امن پسندی اور سب سے برابری کے برتاؤ کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل نہ ہوجائیں۔

اب ذرا اس کا پس منظر بھی ملاحظہ کیجیے۔ ہم یہاں صرف اس آیت سے پہلے والی آیتیں نقل کریں گے اور سارا ماجرا آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا یَتَّقُوْنَ۝۵۶ ۔(الانفال)

''وہ جن سے آپ نے معاہدہ کیا پھر وہ توڑتے رہے اپنا عہد، ہر بار اور وہ ذرا نہیں ڈرتے (عہد توڑنے سے)''۔

اس کے بعد کی آیت مبارکہ میں ہے:

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۝۵۷ ۔(الانفال)

''تو اگر آپ انہیں پائیں جنگ میں تو ایسی مار مارو جس سے ان کے پیچھے والے (بھی) بھاگ جائیں اس امید پر کہ شاید وہ سمجھ جائیں''۔

اس کے فوراً بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآىِٕنِیْنَ۝۵۸ ۔(الانفال)

''اور اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے عہد شکنی کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح طور پر بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

پھر اس کے بعد قرآن میں آتا ہے:

وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ۝۵۹ ۔(الانفال)

''اور ہرگز کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ کر نکل گئے ہیں یقیناً وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکتے''۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ آیت نمبر ۶۰ کا کیا مطلب ہے۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں سے دوسری قوم یا دوسری حکومت کوئی معاہدہ توڑ دے اور امن کا معاہدہ ہونے کے باوجود بدامنی کرنے لگے تو پھر اسلامی حکومت کو چاہیے کہ اپنی جنگی تیاری کرلے اور خوب اچھی طرح اسلحہ جمع کرلے تاکہ معاہدہ توڑنے والے اور باقی لوگ بھی یہ سمجھ لیں کہ مسلمان کمزور نہیں ہیں اگر ان پر جنگ تھوپی گئی تو وہ میدان سے بھاگنے والے نہیں۔ اور یہ بات بالکل صحیح اور مناسب ہے اور دنیا کی ہر حکومت آج ایسا ہی کررہی ہے۔

اب اس آیت سے یہ مطلب نکالنا کہ اسلام مسلمانوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ اپنے علاوہ سب کو دہشت زدہ کردو اور دہشت گردی پھیلاؤ، سراسر غلط ہے۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا اور مدت سے پہلے معاہدہ توڑ دینا کون سا اچھا کام ہے۔ آج ہر عقل مند انسان جانتا ہے کہ ایسا کرنا غلط ہے اور جرم ہے۔

اب اس کا انگریزی میں یہ ترجمہ کرنا کتنا بڑا دھوکہ ہے:

"Muslims must muster all weapons to terrorize the infidels."

(کافروں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو ہتھیار تیار کرنا ضروری ہے۔)

کیا انصاف دنیا سے ختم ہوگیا ہے؟ کیا اس طرح کی حرکت کرنے والا بد امنی اور دہشت گردی کو بڑھاوا نہیں دے رہا؟

اسی طرح اسی سورۂ انفال کی ایک دوسری آیت کے مفہوم کے ساتھ بھی کھلواڑ کیا گیا ہے۔

آیت مبارکہ ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ ۔(الانفال)

”اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے کیوں کہ کافر سمجھ نہیں رکھتے“۔

اس آیت کا پس منظر ہم آگے بیان کریں گے مگر ابھی ہم صرف یہ سوال پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا کوئی حکومت یا کوئی آرمی چیف اپنے دشمن سے جنگ ہونے پر اپنے فوجیوں کا حوصلہ نہیں بڑھا سکتا؟ اگر کسی حکومت یا آرمی چیف یا ڈیفینس منسٹر نے اپنی فوج کا حوصلہ بڑھا دیا اور یہ کہہ دیا کہ تم دشمن فوج کی کثیر تعداد سے مت ڈرنا، تم تو ایسے جانباز ہو کہ تم اکیلے (1000) ہزار پر بھاری ہو، تو کیا یہ جرم ہے؟ کیا اس بات کو ایسے بیان کیا جائے گا کہ دیکھو فلاں حکومت یا فلاں ملک اپنے علاوہ سب کو مارنے کی بات کر رہا ہے اور اپنے فوجیوں سے کہہ رہا ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کو مار دو؟ ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات کوئی صحیح دماغ رکھنے والا نہیں کہے گا۔ تو پھر اسلام اور قرآن کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں؟ یہ تو انصاف نہیں ہے۔

اب ذرا اس دور کو بھی دیکھتے چلیں جب مسلمانوں کو مکہ سے نکالا گیا، ان پر ظلم کیا گیا، ان کے گھر چھین لیے۔ اب مسلمان مدینہ میں آگئے، تو یہاں بھی سکون سے نہیں رہنے دیا گیا۔ مسلمانوں کا جرم کیا تھا؟ کیا کسی کے یہاں چوری کی؟ ڈاکہ ڈالا؟ کسی کو قتل کیا؟ آخر کیا کیا جو مکہ سے اتنا بڑا لشکر لے کے مدینہ کے پاس مسلمانوں کے دشمن آگئے؟ جرم صرف یہ تھا کہ مسلمان ایک اللہ پر ایمان لے آئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ سارے انسان برابر ہیں۔ مکہ والوں کو یہ بہت برا لگتا تھا کہ جو ہمارے غلام تھے وہ ہمارے برابر کیسے ہوگئے اور سب لوگ ایک ساتھ ایک جگہ عبادت کیوں کرتے ہیں؟ نسل کا تعصب تھا، گورا کالے کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتا تھا، نوکر کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک ہو رہا تھا، مکہ والے اپنے قبیلے کے علاوہ لوگوں کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے۔ اور اسلام کا پیغام تھا کہ سب انسان برابر ہیں اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہوگی کیوں کہ اللہ ہی نے سب کچھ بنایا ہے۔

اسلام کا پیغام تھا کہ اپنے جیسوں کی یا اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی عبادت اسلام میں جائز نہیں ہے۔ بس یہ دشمنی تھی مکہ

والوں کی جس کی وجہ سے کئی بار مدینہ کے مسلمانوں پر بڑی بڑی فوجیں لے کر حملہ کیا۔ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مکہ والے زیادہ تھے، ایسے ماحول میں کہ جب مسلمان ۳۱۳ رہوں اور مکہ والے ایک ہزار سے زیادہ ہوں تو اسلام نے مسلمانوں کو (Self Defence) اپنے حفاظت کرنے کا حکم دیا اور اسلام نہ ہونے، تعداد کم ہونے کے باوجود مسلمانوں کی ہمت بڑھائی اور اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد پر ابھاریئے تو اس میں غلط کیا ہے؟ یہ تو دنیا کا ہر آرمی چیف اپنے فوجیوں کو کہتا ہے اور خاص طور سے اس وقت جب وہ دیکھے کہ اس کے فوجی دشمن سے خوف کھا رہے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ اپنی جان کی بازی لگا دو، جم کر لڑو، اپنی مٹی کی خاطر اپنے وطن کی خاطر سرحد ڈٹے رہو، قدم پیچھے نہ ہٹاؤ، آگے بڑھو۔

اب اگر کسی جرنیل یا فوجی افسر کی اس بات کو غلط طریقہ سے بیان کیا جائے تو یہ صرف بدنام کرنے کے لیے ہوگا حقیقت سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

اب ذرا اسی سورۃ کی ایک آیت کو دیکھئے کہ اللہ نے کیا فرمایا:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ ۔(الانفال)

''اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے''۔

اس آیت سے پہلے والی آیت یعنی آیت نمبر ۶۰ جس کی تفصیل گزر چکی ہے، اس میں اللہ نے مسلمانوں سے طاقت و قوت جمع کرنے کو کہا اور اس آیت میں فرمایا کہ اگر تمہارے دشمن صلح کریں تو تم بھی صلح کرلو۔ اب ذرا سوچیے کہ اسلام کے قوانین کتنے امن پسند ہیں کہ اس دشمن سے صلح کی بات کہی جو معاہدے توڑ دیتا ہے، پھر بھی فرمایا کہ اگر صلح کی بات کہے تو جنگ مت کرو، صلح کرلو۔ پھر بھی اگر دشمن جنگ پر آمادہ ہو تو بزدلی نہ دکھاؤ، دشمن کا مقابلہ کرو، اس میں کون سی ایسی بات ہے جس کو یہ سمجھا جائے کہ اسلام دہشت گردی کو بڑھاوا دیتا ہے؟ انصاف سے فیصلہ کریں۔ اب ذرا دیکھیں کہ اسلام پر داغ لگانے کے لیے اس کا انگریزی میں کتنا غلط مفہوم بیان کیا گیا ہے:

"The unbelievers are stupid urge the muslims to fight them"

(غیر مسلم بے وقوف ہیں، ان کے خلاف لڑنے کے لیے مسلمانوں کو اکساؤ)

اب اسی طرح سورۃ توبہ کی ایک آیت اور اس کے مفہوم کو دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ ۔(التوبة)

’’پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں، تو مشرکوں کو مارو، جہاں تم انھیں پاؤ اور انھیں پکڑلو اور قید کرلو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اس آیت کے مفہوم کو کس قدر غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے۔ آئیے ذرا اس آیت کا پس منظر بھی ملاحظہ فرمائیے۔ نبی کریم ﷺ نے عرب کے قبائل سے امن و دوستی کے معاہدے کیے لیکن مسلمانوں کی ظاہری کمزوری کی وجہ سے عرب کے لوگ معاہدوں کو توڑ دیا کرتے تھے اور جب کبھی موقع ملتا تو معاہدہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے۔ جب تبوک میں قیصر روم سے جنگ ٹھن گئی جس کے پاس تقریباً دو لاکھ فوج تھی اور مسلمان اس کے مقابلے میں بہت کم تھے، تو عرب کے قبیلے والوں کو بہت خوشی ہوئی کہ اب مسلمان سب کے سب مارے جائیں گے اور ہم سے عہد توڑنے پہ کوئی سوال نہ کر سکیں گے۔ تو ان لوگوں نے طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں اور ہر طرح سے عہد شکنی کرنے لگے۔ مگر ہوا اس کے برخلاف اور مسلمان عزت کے ساتھ واپس آگئے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ کیا ان لوگوں کو کھلی چھوٹ دی جائے تاکہ یہ عرب کے عہد شکن لوگ جہاں موقع ملے مسلمانوں کو اور اسلامی ریاست کو نقصان پہنچاتے رہیں۔ جب بھی کوئی باہر کا دشمن مسلمانوں سے جنگ کرے تو یہ لوگ مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر مارتے رہیں؟ اس لیے تبوک سے واپسی کے بعد جب ذی قعدہ ۹ ہجری میں مسلمانوں کا قافلہ حج کے سفر پر روانہ ہو چکا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا کہ اب دشمن کے ساتھ سارے معاہدے ختم ہو گئے۔ جب یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مکہ جا کر کہی تو مکہ والوں نے کہا: اے علی! اپنے چچا کے بیٹے (یعنی نبی کریم ﷺ) کو بتا دینا کہ ہم نے معاہدوں کو پس پشت پھینک دیا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کو نیزوں اور تلواروں سے مارنے کے سوا کوئی دوسرا معاہدہ نہیں۔

اتنا ہونے کے بعد قرآن نے دشمنوں سے کہا کہ تمہیں چار ماہ تک ہر طرح کی مکمل آزادی ہے، جہاں چاہو جاؤ، جس سے چاہو ملو، تم پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ پھر قرآن نے فرمایا کہ صرف ان قبائل کے معاہدے منسوخ ہوئے جنھوں نے معاہدے خود ہی پہل کرتے ہوئے توڑے لیکن جو اپنے معاہدوں پر قائم رہے، ان کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے ہیں، ان کی پابندی لازمی ہے۔ ان سب کے بعد یہ آیت ہے اور اس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب چار مہینے گزر جائیں جو بطور مہلت دیئے گئے تھے اور صرف ان دشمنوں کو مارنے کا حکم ہے جنھوں نے عہد توڑا ہے ان پر ٹوٹ پڑو، اگر وہ کسی قلعہ یا محفوظ جگہ میں قیام کرلیں تو اس کو گھیر لو۔ غرض یہ کہ اب کوئی رعایت نہیں دی جائے گی۔ ہاں! اگر اتنی سرکشی کے بعد بھی وہ سچے دل سے توبہ کرلیں اور اپنی توبہ کی سچائی کا عملی ثبوت بھی پیش کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو مایوس نہ کرے گی۔ اس کے بعد کی آیت میں صاف صاف پناہ دینے کا حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۝ -(التوبة)

''اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیجئے تا کہ وہ سنے اللہ کا کلام، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے ۔یہ حکم اس لیے ہے کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن) نہیں جانتے''۔

اب بتائیے کہ اسلام نے ظلم کا پیغام دیا ہے یا امن کا۔اپنے دشمن کو پناہ دینا پھر اس کو حفاظت کے ساتھ اس کی امن کی اور محفوظ جگہ پہنچا دینا کون سی دہشت گردی ہے؟ اب ذرا دیکھئے کہ قرآن کی آیت جس کا یہ مفہوم ہے اس کو کس قدر غلط طریقہ سے پھیلایا جارہا ہے۔

اب اس پوری تفصیل کے بعد سورہ توبہ کی اوپر والی آیت کا انگریزی میں یہ ترجمہ دیکھیں:

"When opportunity arises kill the infidels wherever you catch them"

(جب بھی موقع میسر ہو تو کافروں کو جہاں بھی پکڑو مار دو)

انصاف کی نگاہ سے دیکھئے اور بتائیے کہ کیا یہ جرم نہیں ہے؟ کیا اس طرح کی حرکتوں سے نفرتیں عام نہیں ہو رہی ہیں؟

اسی طرح سورہ توبہ کی ایک دوسری آیت کا مفہوم دیکھیں اور اس کے بعد اس کے انگریزی ترجمے پر غور کریں۔

آیت پاک ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۝ -(التوبة)

''اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کی اپنے منھ سے کہی ہوئی بات ہے، یہ پہلے کے کافروں جیسی بات کرتے ہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے کدھر بھٹکتے چلے جارہے ہیں''۔

اب اس آیت کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اس میں یہودیوں اور عیسائیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ان کے ایک غلط قول کو بیان کیا گیا ہے۔تورات اور انجیل میں یہ کہیں نہیں تھا حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی طرف سے گڑھ لی ہے۔یہودی اور عیسائی یہ مانتے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب ہے۔اور قرآن نے بھی اس کو بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان کو کتابیں دیں۔حضرت موسیٰ کو تورات اور حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا فرمائی۔مگر ان دونوں قوموں نے اُس کتاب میں بہت سی جگہ اپنی مرضی سے کچھ گھٹا دیا اور کچھ بڑھا دیا، یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں کئی طرح کی تورات اور کئی طرح کی انجیل موجود ہیں جب کہ قرآن پوری دنیا میں ایک جیسا ہے، اس میں نہ کچھ گھٹایا گیا نہ کچھ بڑھایا گیا۔تو قرآن نے ان کی اس حرکت کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔اور اس آیت میں بھی اللہ اس بات کو بتا رہا ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اگر کوئی آپ پر جھوٹا الزام لگائے کہ آپ نے چوری کی ہے اور آپ اس سے کہیں کہ اللہ تمہیں ہلاک کرے تم ایسا جھوٹ بول رہے ہو، تو اس میں کون سی دہشت گردی ہے؟

جب یہ بات اللہ نے بتادی کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے تو پھر کوئی یہ کیوں کہہ رہا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے ۔اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ جو پیدا ہو یا جس کی اولاد ہو یا جو مر جائے وہ سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں، وہ اللہ نہیں ہوسکتے اور یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے۔

اب زبردستی کسی کو اللہ کا بیٹا کہنا کیسے صحیح ہوگا خاص طور سے ان لوگوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں جیسے یہودی، عیسائی یا مسلمان ان تینوں قوموں کا ماننا ہے کہ اللہ ہے اور اس نے یہ ساری کائنات بنائی ہے۔اب یہ مانتے ہوئے کسی کو اللہ کا بیٹا کہنا اور اس بات کو دین کی بات سمجھنا کیسے صحیح ہوگا؟ اور یہودیوں نے تو اپنے نبیوں کو قتل کیا اور حضرت موسیٰ کی بے حد نافرمانی کی۔اپنی کتاب میں پھیر بدل کرلیا، اپنی مرضی کے مطابق اس میں باتیں شامل کردیں اور یہ کہتے رہے کہ ہمارے علاوہ جنت کوئی نہیں جائے گا، بس ہم ہی سب سے بہتر ہیں باقی سب ہماری غلامی کے لیے ہیں۔

اتنا سب ہونے کے بعد اللہ نے اپنے آخری نبی کو دنیا میں بھیجا۔ان سے بھی یہودیوں نے اسی طرح کی باتیں کیں، تو اللہ نے قرآن میں یہودیوں کی اس طرح کی حرکتوں کو بیان کردیا کہ یہ دھوکہ دے رہے ہیں، یہ اپنے دین پر نہیں ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب بدل لی اور اپنا راستہ چھوڑ دیا، اب یہ ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں، تو اس میں کیا غلط ہوگیا؟ اگر قرآن میں کہا کہ اگر یہ سچے ہیں تو کوئی دلیل دیں، اپنے سچے ہونے کی، مگر آج تک کوئی دلیل نہیں دے سکے کیوں کہ ان کی کتاب میں جو اللہ نے نازل کی تھی وہی عقائد تھے جو قرآن میں ہیں یعنی اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں ہوگی، کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔اللہ کے تمام نبیوں پر ایمان لانا ہوگا وغیرہ اور ان کی کتاب میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ جب آخری نبی دنیا میں آئے تو اس پر ایمان لانا۔یہی وجہ تھی کہ یہودی اپنے ملک کو چھوڑ کر مدینہ میں آباد ہوگئے تھے کہ اس جگہ کی نشاندہی ان کی کتاب میں تھی۔اب کوئی ان سے سوال کرے کہ آپ فلسطین چھوڑ کر مدینہ میں کیوں آباد ہوگئے تھے؟ مگر معاملہ یہ تھا کہ یہ اس امید پر تھے کہ آخری نبی ہمارے خاندان میں پیدا ہوگا مگر ایسا نہیں ہوا، آخری نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں آیا تو یہودیوں کو بہت برا لگا اور مخالفت شروع کردی، طرح طرح کی سازشیں کرنے لگے۔

اب کوئی بتائے کہ قرآن نے کس یہودی پر ظلم کیا اور کس عیسائی پر ظلم کیا؟ جھوٹ کا سہارا نہ لیا جائے تو تاریخ صاف صاف بتارہی ہے ہمیشہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا اور ایک دوسرے کا قتل عام کیا۔یہ سب کچھ بھلا کر صرف اسلام کے پیچھے پڑ جانا اور قرآن کی آیتوں کا الٹا اور غلط مفہوم بیان کرنا اور لوگوں کو اسلام سے دور کرنا کون سی انسانیت ہے؟

اب اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد اس آیت پاک کا انگریزی میں جو مطلب بتایا جارہا ہے اس کو دیکھیں:

"The Jews and Christians are perverts; fight them"

(یہودی اور عیسائی حق کے خلاف ہیں، ان سے جنگ کرو)

یہی حال سورہ توبہ کی ایک اور آیت کے مفہوم کا کیا گیا کہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن نے مسلمانوں سے کہا کہ اپنے پڑوسیوں کو ماردو۔

آیت اور اس کا ترجمہ دیکھیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةًؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۝۱۲۳ ۔(التوبة)

’’ایمان والو! ان کافروں سے جہاد کرو جو تمہارے قریب ہیں اور وہ تم میں سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے‘‘۔

اس آیت کا یہ مطلب لینا کہ اپنے پڑوسیوں سے جنگ کرو ان کو مار دو۔ یہ غلط ہے، یہ آیت عام حالات کے لیے نہیں ہے، امن کے حالات کے لیے نہیں ہے، اس میں جہاد کی بات ہے اور جہاد اسلامی اصطلاح (اسلامک ٹرم) ہے تو اسلام اور قرآن سے پتہ چلے گا کہ جہاد کیا ہے؟ اور کب ہوگا اور کیسے ہوگا؟ نہ یہ کہ کوئی خود اپنی مرضی سے جہاد کا کوئی مطلب نکال لے اور پھر یہ کہے کہ دیکھو اسلام میں دہشت گردی اور مارکاٹ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ پیچھے گزر چکا کہ جہاد کے اصول کیا ہیں۔

جہاد اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق نہیں ہوتا اور مال و دولت لوٹنے کے لیے نہیں ہوتا، کسی پر ظلم کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگریز حکومت نے ہندوستان پر ظلم کی انتہا کر دی تو علامہ فضل حق خیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا تھا۔ اب آپ سمجھ سکیں گے کہ جہاد کیا ہوتا ہے؟ اس لیے جو لوگ آزادی کی جنگ میں شریک ہوئے، ان کو مجاہد آزادی کہا جاتا ہے، یعنی آزادی کے لیے جہاد کرنے والا۔ بات سمجھ میں آ گئی کہ ظلم کے خلاف جنگ کرنا جہاد ہے۔

اس تشریح کے اب انگریزی کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"Make war on the infidels living in your neighborhood"

(اپنے پڑوس میں رہنے والے غیر مسلموں سے جنگ کرو)

اب ذرا سوچیں کہ کسی ملک کے کئی ملک دشمن ہوں اور ان دشمنوں میں سے ہر دشمن جنگ کرنے پر آمادہ ہے تو سب سے پہلے اس ملک سے جنگ ہوگی جو قریب ہوگا۔ یہ بات مناسب ہے اور اگر کوئی قریب کے دشمن کو چھوڑ کر سات سمندر پار کے دشمن سے لڑنے چلا جائے تو یہ عقل مندی نہیں ہے۔ آج دنیا میں کون سا ملک ہے جو ایسی حماقت کرے گا اور تاریخ گواہ ہے جس نے اس بات کا لحاظ نہیں کیا وہ مارا گیا۔ اب اگر قرآن یہ حکم دے رہا ہے تو کیا غلط کر رہا ہے؟ جب کہ جہاد کے اصول میں یہ بتایا گیا ہے کسی عورت کو نہ مارنا، کسی بچے کو نہ مارنا، کسی بوڑھے کو، کسی اپاہج کو، کسی ایسے شخص کو جو اپنی عبادت میں لگا ہو اس کو نہ مارا جائے، کھیتیاں نہ خراب کرو۔ غرض یہ کہ جو تم سے جنگ کرے تم اس سے جنگ کر سکتے ہو۔ اب یہ سب بتا کر اگر یہ کہا گیا کہ اگر قریب والے جنگ کریں اور دور والے بھی جنگ کرنا چاہتے ہیں تو پہلے قریب والے کا مقابلہ کرو تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔ اسلام سے لوگوں کو نفرت دلانا اور لوگوں کو اسلام کی طرف سے بدظن کرنا، جھوٹی باتیں اسلام کی طرف منسوب کرنا یہ کون سی امن پسندی اور کون سی بھائی چارے کی بات ہے، فیصلہ آپ خود کریں۔

اسی طرح سورہ حج کی آیت نمبر ۱۹، ۲۰، ۲۱ کا جو مفہوم بیان کیا جار ہا ہے وہ کس قدر غلط بیانی ہے اور کتنا جھوٹ ہے۔
آیت اور اس کا ترجمہ دیکھیں:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ -(الحج)

''یہ دو فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں تو وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائے گا''۔

یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ -(الحج)

''کھولتے پانی سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں بھی گل جائیں گی''۔

آیت نمبر ۲۱ میں ہے:

وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ -(الحج)

''اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہیں''۔

اول تو ان آیتوں میں مسلمانوں سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم کافروں کو جلا دو اور ان کے اوپر کھولتا پانی ڈال دو یا لوہے کے گرز سے مارو۔ اس آیت میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور قیامت کے دن سب کا حساب ہوگا، اس دن کافروں کو اللہ یہ عذاب دے گا۔ پتہ چلا کہ ان آیتوں کا انگریزی میں جو مطلب بیان کیا گیا وہ سراسر غلط ہے۔

اب ذرا ان آیتوں کا پس منظر بھی ملاحظہ فرمالیں۔ یہ آیت غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے جب مسلمان اور مکہ والے میدان جنگ میں ایک دوسرے کے سامنے تھے اور یہ دونوں گروہ آپس میں رشتے داری رکھتے تھے تو مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث تھے اور کفار مکہ کی طرف سے ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور عتبہ کا لڑکا ولید۔ اب یہاں یہ بھی جان لیا جائے کہ مکہ والے کس قدر اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتے تھے اور کسی کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے اونچ نیچ، چھوٹی ذات بڑی ذات یہ ساری باتیں مکہ والوں میں تھیں۔

ہوا یہ کہ بدر کے دن عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان جنگ میں آیا اور مسلمانوں کی طرف سے مدینہ کے تین جوان ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے اپنا نام ونسب بتایا تو عتبہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہمارے مقابلے میں ان کو بھیجو جو نسب میں ہمارے برابر ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث کو بھیجا۔ یہاں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مکہ والے جو مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے اپنے خاندان کے علاوہ کسی کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتے تھے اور اسی اونچ نیچ کو اسلام نے مٹا دیا، اسلام کی نظر میں کوئی کسی سے نسب کی بنیاد پر کمتر نہیں، سب برابر ہیں، ہر انسان برابر ہے، کوئی نیچ ذات نہیں۔

توہم عرض یہ کر رہے تھے کہ یہ دو گروہوں کی بات ہے اور اللہ نے اس آیت میں فرمایا کہ جو منکر ہوا، مجھ پر ایمان نہیں لاتا کفر کیا تو قیامت کے دن اس کو یہ عذاب دیا جائے گا۔

اب اس میں ایسی کون سی بات ہے جس پر کوئی اعتراض کیا جائے، دنیا میں اکثر لوگوں کا ماننا ہے کہ مرنے کے بعد اپنے اچھے برے کاموں کے حساب سے سزا یا جزا یعنی جنت یا جہنم (جسے ہندی میں سورگ اور نرک کہا جاتا ہے) ملے گی۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس پر ایمان ہے اب اگر کوئی اللہ پر ایمان نہیں رکھتا اور جنت و دوزخ کو نہیں مانتا تو اس کو اس بات سے کیا لینا دینا کہ قیامت میں کیا ہوگا؟ ڈرنا تو ان کو چاہیے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں کہ کہیں ہم سے کوئی ایسا کام نہ ہو جس کی سزا جہنم ہے۔

اب ذرا انصاف کے ساتھ اس کا انگریزی ترجمہ ملاحظہ کریں:

"Punish the unbelievers with garments of fire, hooked iron rods boiling water, melt their skin and bellies"

(غیر مسلموں کو آگ کے لباس پہناؤ، سلاخوں سے چھیدو، کھولتے ہوئے پانی سے ان کی جلد اور پیٹھ کو پگھلاؤ)

اب اس ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ جو مسلمان نہیں ہے اس کو آگ کے کپڑے پہنا دو، لوہے کی سلاخوں میں لٹکا دو وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح کا معاملہ سورہ محمد کی ایک آیت کے ساتھ کیا گیا۔ بنا سوچے سمجھے آیت کا ایسا مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ جس سے لگتا ہے کہ قرآن مسلمانوں سے تمام غیر مسلموں کو مارنے کی بات کہہ رہا ہے اور کسی قسم کا امن وامان کا ماحول بنانے سے روک رہا ہے۔ جب کہ یہ سراسر غلط ہے۔ قرآن نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ جب کہ آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ قرآن نے صلح کی بات کہی، امان دینے کی بات کہی، عہد کو باقی رکھنے کی بات کہی۔

اس آیت میں بھی حالت جنگ میں (یعنی جب مسلمانوں سے کوئی جنگ کرنے آجائے تو) کیا کیا جائے، اس بارے میں قرآن وہی کہہ رہا ہے جو آج دنیا کا ہر ملک اپنی فوج سے کہتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔

آیت مبارکہ ہے:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝٤ —(محمد)

"پھر جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا (میدان جنگ میں) ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کرلو تو پھر ان کو مضبوطی سے باندھ دو، اس کے بعد یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے لو یہاں تک کہ جنگ میں اپنے ہتھیار ڈال دے"۔

اب انصاف سے بتائیے کہ جنگ کی حالت میں اگر یہ نہ کیا جائے تو کیا کیا جائے؟ اسلام کا امن پسند ہونا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن نے جنگ میں گرفتار ہونے والے دشمن کو احسان کرتے ہوئے ان کو رہا کرنے تک کی بات کہی۔اس آیت کے پاکیزہ مطلب کو کس قدر خراب کر کے بیان کیا جارہا ہے آپ خود ملاحظہ فرمائیں۔

اب اس پوری تفصیل کے بعد اس کے انگریزی ترجمے پر غور کریں:

"Do not hanker for peace with the infidels, behead them when you catch them"

(کافروں سے امن کی کوشش مت کرو، جب تم ان کو پکڑو تو ان کا سر قلم کردو)

جس آیت میں قیدیوں کو رہا کرنے کی بات ہو، اس آیت کو اس طرح بیان کرنا کتنا بڑا دھوکہ ہے۔جب کہ اسلامی شریعت میں قیدیوں کو قتل کرنا جائز نہیں۔

اب ان آیات کے صحیح مفہوم کو پڑھ کر آپ اتنا تو سمجھ گئے ہوں گے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اگر اسلام ظلم کو، دہشت گردی کو بڑھاوا دیتا ہے تو پھر جھوٹ کا سہارا کیوں لینا پڑا؟ وہ باتیں اور وہ آیتیں پیش کی جائیں جن میں ظلم کی اور ہر کسی کو مارنے کی بات کہی جارہی ہے۔ایسا کیوں نہیں ہوتا اور آج تک ایسا کیوں نہیں ہوسکا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کوئی آیت جس میں عام شہریوں کو مارنے، بدامنی پھیلانے کا حکم ہو، قرآن میں نہیں ہے۔اگر ہوتی تو پچھلے ساڑھے چودہ سو سالوں سے اب تک کوئی ضرور دکھاتا جو بھی اعتراض کرتا ہے، اس کو جھوٹ اور من گھڑت باتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔اگر کوئی برا ہے تو اس کو برا ثابت کرنے کے لیے جھوٹ کیوں بولنا پڑتا ہے؟ اس سے پتہ چلا کہ جس کے برے ہونے کو آپ جھوٹ بول کر ثابت کر رہے ہیں وہ حقیقت میں برا نہیں ہے۔آپ جلن، حسد اور اس سے دشمنی کی وجہ سے اسے بدنام کر رہے ہیں۔اسی طرح اسلام کو بھی بدنام کیا جارہا ہے۔آپ نے خود دیکھا کہ یہاں بارہ آیات کا غلط مطلب بیان کیا گیا اور یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام دہشت گردی کو بڑھاوا دیتا ہے۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دہشت گردی کو ختم کرتا ہے۔آج سے چودہ سو سال پہلے مکہ والوں کی دہشت گردی کو ختم کیا۔آج لاکھوں غیر مسلم لوگ مسلم ممالک میں رہتے ہیں، خاص طور پر عرب میں، تو کیا عرب کے مسلمان یا وہاں کی اسلامی حکومت نے قرآن کا انکار کردیا ہے؟ کیا ان سب نے دین اسلام چھوڑ کر کوئی اور مذہب قبول کرلیا ہے؟ آخر وہ لوگ اگر مسلمان ہیں تو قرآن کے حکم پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ آپ کے کہنے کے مطابق اگر قرآن میں یہ حکم ہے کہ مسلمان غیر مسلم کو جہاں پائے قتل کردے، تو عرب کے مسلم اپنے ملک میں ایسا کیوں نہیں کرتے؟ جب کہ وہاں چوری کی سزا وہی ہے جو قرآن نے بتائی ہے۔اس سے پتا چلا کہ عرب قرآن پر عمل کرتے ہیں۔تو پھر وہ کام کیوں نہیں کرتے جس کو لوگ اسلام کا یا قرآن کا حکم بتا رہے ہیں۔

اور انگریزی میں یہ کہہ رہے ہیں کہ دیکھو قرآن نے مسلمانوں کو کیا حکم دیا:

"slay the unbelievers wherever you find them"

(جہاں کہیں بھی تم غیر مسلموں کو پاؤ ان کو مار ڈالو۔)

تو عرب کی حکومت اس پر عمل کیوں نہیں کرتی؟ پتا چلا کہ قرآن نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا جو دہشت گردی ہو یا ظلم ہو، قرآن نے امن کی بات کہی ہے، صلح کی بات کہی ہے۔ ہاں! اگر کبھی جنگ کی نوبت آجائے تو جنگ کرنے کی اجازت دی ہے مگر زیادتی کرنے کو منع کیا ہے، یہ ہے قرآن کی تعلیم۔

میں گزارش کروں گا ان تمام لوگوں سے جن کو اسلام پر کوئی بھی اعتراض ہو یا یہ لگتا ہو کہ اسلام میں کچھ غلط ہے تو وہ لوگ ایک بار قرآن کو پڑھ لیں، مگر ایک بات کا خیال رکھیں کہ قرآن کا وہی ترجمہ پڑھیں جو کسی مسلمان عالم نے کیا ہو، کیوں کہ اسلامی اصطلاح کو غیر اسلامی معنی پہنائے جائیں تو مطلب غلط ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کا ترجمہ وہ کرے جو دین کے اصول جانتا ہو، علوم قرآن سے واقف ہو۔ اللہ ہم سب کو صحیح فہم عطا فرمائے، آمین۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

ضروری اعلان

مدت خریداری معلوم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کے نام و پتہ کے اوپر جہاں مثلاً (2730/08(Upto Dec. 2022 لکھا رہے، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا خریداری نمبر 2730/08 ہے اور Upto Dec.2022 کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری دسمبر ۲۰۲۲ء میں ختم ہوگئی ہے، آپ کے ذمہ ۲۰۲۳ء کا زرتعاون باقی ہے۔

لہٰذا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور پورا پتہ لکھنا نہ بھولیں۔ جو حضرات چیک یا ڈرافٹ کی شکل میں رقم بھیجنا چاہیں — تو اس پر صرف "Darul Esha'at" تحریر کریں۔

A/c No. : **1271488319**, A/c Name : **DARUL ESHA'AT**

IFSC Code : **CBIN-0282779**

Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)

Cell No. : +91-7250433562, 7903953313

— سرکولیشن منیجر

صحابۂ کرام اور حدیث کی سماعت وروایت

● حکیم سید احمد اللہ ندوی —— کراچی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قول کو حدیث قولی اور فعل کو حدیث فعلی کہتے ہیں۔بعض علمائے کرام کے نزدیک لفظ حدیث قرآن مجید کی آیت ’’وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ‘‘ کے لفظ ’’فَحَدِّثْ‘‘ سے ماخوذ ہے۔اس آیت کے معنی ہیں اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔احادیث میں بصراحت موجود ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بھی چیز آپ کو عطا کی گئی ہے جو قرآن مجید کے برابر یا اس سے کچھ زیادہ ہے۔اس سے مراد حدیث ہے،جس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتی ہے’’وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى‘‘نبی اپنی خواہش نفسانی سے نطق (بات) نہیں کرتے،بلکہ وہ وحی ہوتی ہے، جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا کلام جسے حدیث نبوی کہتے ہیں،وحی کے مطابق ہے،فرق صرف اس قدر ہے کہ جب قرآن مجید کی آیتیں یا سورتیں آپ پر نازل ہوتی تھیں تو آپ فرمادیتے تھے کہ یہ قرآن مجید کی آیات ہیں،جن کو آپ صحابہ کو زبانی یاد کرادیتے تھے اور کاتبانِ وحی جو مقرر تھے،جیسے زید بن ثابت وغیرہ ان سے لکھوالیتے تھے اور پھر مختلف اوقات میں ان آیات کی تشریح وتوضیح صحابہ کے سامنے فرمادیتے یا دوسرے ضروری احکام،ہدایات اور تعلیمات صحابہ کو دیتے،ان باتوں کو آپ نہیں لکھواتے بلکہ نہ لکھنے کی ہدایت فرماتے تھے،تاکہ بزمانہ نزولِ قرآن آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں اختلاط اور التباس نہ ہو،اگرچہ بعض صحابہ کو احادیث کے لکھنے کی خصوصی اجازت بھی دی تھی،جیسے عبداللہ بن عمرو بن عاص تھے۔

آپ کی احادیث کو صحابہ کرام گوش دل سے سنتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ بجنسہ آپ کے کلمات مبارک بھی لفظ بہ لفظ زبانی یاد ہوجائیں،کبھی آپ نے کسی ایک صحابی کے سامنے کوئی بات ارشاد فرمائی،لیکن اکثر صحابہ کے مجمع میں تکلم فرماتے تھے،یہی وجہ ہے کہ ایسی حدیثیں بھی ہیں،جن کی روایت میں متعدد صحابہ تقریباً متفق اللفظ پائے جاتے ہیں،لیکن ان صحابہ کے حفظ،ضبط کلام اور فہم کے لحاظ سے کہیں کہیں احادیث کے لفظ بدل گئے ہیں،یا کچھ کم وبیش ہوگئے ہیں،لیکن عموماً مطلب اور معانی میں فرق نہیں آیا ہے،جیسے جَلَسَ کے بدلے کسی صحابی نے قَعَدَ کہہ دیا۔لفظ دو ہیں،لیکن دونوں کے معنی ایک ہیں،

ان دونوں لفظوں کے معنی اردو میں میں بیٹھا، اس لیے ہم معنی الفاظ کے تغیر سے حدیث شریف کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے، وحی الٰہی کا تعلق قرآن مجید اور احادیث نبوی دونوں سے ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، اس بنا پر وحی الٰہی میں جہاں نزول وحی کے سلسلے میں ذکر کا لفظ آیا ہے، اس سے قرآن مجید کے ساتھ حدیث نبوی بھی مشتمل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے کلام مجید میں ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' ہم نے ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ الحمدللہ کہ قرآن مجید نزول وحی کے زمانے سے اس وقت تک ہر دور میں اور ہر ملک میں بے شمار حفاظ قرآن کے سینوں میں محفوظ چلا آیا ہے، اسی طرح احادیث نبوی بھی عہد نبوت سے اس وقت تک لاتعداد حفاظ حدیث کے سینوں میں محفوظ رہتی چلی آتی ہیں اور منکرین حدیث کی دشمنی سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے ذکر کے عمومی لفظ سے دونوں کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جو باکمل وجوہ پورا ہو رہا ہے۔

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعت کرنے والوں میں اول مخاطب رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ لفظ صحابی، صحابہ کی طرف منسوب ہے اور یہ بطور علَم کے مشہور ہوگیا ہے۔ واحد اور جمع دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، صحابہ اور اصحاب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے بحالت ایمان حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا ہے، خواہ صحبت نبی کی مدت طویل ہو یا قصیر دونوں پر صحابی کا اطلاق ہوتا ہے۔ صحابۂ کرام میں مختلف عمر کے لوگ شریک تھے۔ ان میں صغیر السن بھی تھے اور کبیر السن بھی، صحابہ جو حدیث نبوی سن کر دوسروں کو سناتے تھے، اسے روایت کہتے ہیں، روایت کرنے والوں کو راوی جس کی جمع رُواۃ ہے، جیسے قاضی کی جمع قُضاۃ ہے۔ سب سے پہلے صغیر السن راویوں کا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے، خواہ وہ صحابی ہوں یا ان کے بعد کی جماعت تابعی اور تبع تابعین ہوں، صغیر السن راویوں کی سماعت کے متعلق علامہ خطیب بغدادی کی کتاب الکفایہ کا ضروری اقتباس ترجمہ کی صورت میں یہاں درج کیا جاتا ہے:

صغیر سن کی سماعت حدیث ہر عہد و زمانہ، بلکہ ہر علاقہ و ملک کا طریق عمل اور دستور مختلف رہا ہے اور زیادہ تر اس کا دارومدار طبعی حالات اور زمانے کی ضرورت پر تھا۔ اس بنا پر علمائے حدیث اور اہلِ فن کے اقوال مختلف ملتے ہیں، ایک جماعت نے سماع حدیث کے لیے ابتدائی عمر پندرہ سال مقرر کی ہے، دوسری جماعت نے تیرہ سال قرار دی ہے، لیکن جمہور علما نے اس سے کم عمر کی بھی اجازت دی ہے، اہل بصرہ دس سال کی عمر میں، اہل کوفہ بیس سال میں اور اہل شام تیس میں حدیث کی کتابت شروع کرتے تھے اور اس عمر سے پہلے وہ قرآن مجید کے حفظ اور فرائض کی تحصیل میں صرف کرتے تھے۔ تابعین کے عہد میں عموماً یہ دستور تھا کہ انہیں افراد کو سماعت اور کتابت حدیث کی اجازت ملتی تھی، جو بلوغ کی حد کو پہنچتے تھے اور ان میں اس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ علما کی مجلسوں میں شرکت کرسکیں اور سوال و مذاکرہ کرسکیں۔

صغیر سن صحابی، جن سے حدیثیں مروی ہیں، چند کے نام یہ ہیں:

سہیل بن سعد ساعدی کو حدیثیں زبانی یاد تھیں، وہ کہا کرتے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ حضرت حسن سبط رسول اللہ ﷺ دوسرے ہجری سال میں پیدا ہوئے اور وفات نبی ﷺ کے وقت آٹھ سال کے تھے۔ مسلمہ بن مخلد آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں، ان کی عمر آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت دس سال اور بروایت دگر چودہ سال کی تھی، قرۃ مزنی کہتے ہیں کہ میں چھوٹا بچہ تھا میرے سر پر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور مجھے دعائیں دیں۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا، ایک روز میں کھیل رہا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے، میں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اٹھا کے اپنے سامنے سواری پر بٹھالیا، عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا اور آپ نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ میری عمر پانچ سال کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول سے جو میرے گھر میں لٹک رہا تھا، تھوڑا سا پانی میرے منہ پر پھینکا اور یہ واقعہ مجھے یاد ہے۔

ربیعہ بن شعبان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کو آنحضرت ﷺ کی کوئی بات یاد ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنے دوش مبارک پر اٹھایا اور مجھے لئے ہوئے ایک کوٹھری میں چلے گئے، جو صدقے کی چیزوں کے لیے مخصوص تھی، میں نے وہاں سے ایک کھجور اٹھائی اور اپنے منہ میں ڈالی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: منہ سے کھجور نکال کر پھینک دو، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کے لیے صدقے کی چیزیں حلال نہیں ہیں؟

حضرت عبداللہ بن زبیر سے کسی نے پوچھا: آپ کو آنحضرت ﷺ کی کچھ باتیں یاد ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں یاد ہیں، آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیر کی عمر نو برس کی تھی، حضرت نعمان بن بشیر ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے، ان کے متعلق فن رجال کے بہت بڑے امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ نعمان بن بشیر جتنی روایتیں آنحضرت ﷺ سے کرتے ہیں، ان میں صرف ایک حدیث کی روایت میں ''سمعت'' میں نے سنا کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے نیچے کے راوی شعبی ہیں۔ حدیث یہ ہے:

يقول النعمان بن بشير سمعت النبی صلی الله علیه وسلم يقول ان فی الجسد مضغة۔

ترجمہ : حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جسم میں ایک لوتھڑا ہے۔

اس کے علاوہ جتنی حدیثیں نعمان بن بشیر نے آنحضرت سے روایت کی ہیں، ان میں ''سمعت'' میں نے سنا کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، اس بنا پر اہل مدینہ کو انکار ہے کہ نعمان بن بشیر نے آنحضرت ﷺ سے سن کے روایت کی ہے، لیکن خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ جب تمام اکابر ائمہ فن نے آنحضرت ﷺ سے نعمان بن بشیر کی سماعت کو ثابت کیا ہے تو اس انکار کا

کوئی اعتبار نہیں ہے۔ابوالطفیل فرماتے ہیں کہ میں واقعۂ اُحد کے سال پیدا ہوا اور آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے آٹھ سال پائے۔آنحضرت ﷺ نے سواری پر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا اور آپ نے محجہ سے حجر اسود کا استلام کیا اور صفا و مروہ کا طواف بھی سواری پر کیا۔صائب بن یزید فرماتے ہیں کہ مجھے بچپن ہی میں آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کے ساتھ حج کرایا گیا۔مسور بن مخرمہ تقریباً آٹھ سال کے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی۔

مسلمہ بن مخلد کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں پیدا ہوا اور جب آپ کی وفات ہوئی تو میں دس سال کا تھا۔ایک دوسری روایت میں ہے کہ مسلمہ بن مخلد فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو میں چار برس کا تھا اور جب آپ کی وفات ہوئی تو میں چودہ سال کا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں چھ برس کی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مجھ سے شادی کی اور جب میں نو سال کی ہوگئی تو مجھ سے خلوت فرمائی۔اس وقت میں لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں،جب وہ آپ کو دیکھتی تھیں تو شرما کر علاحدہ ہوجاتی تھیں،اکثر آپ باہر چلے جاتے اور سہیلیوں کو میرے پاس بھیج دیتے،بچپن کے زمانے میں جو کچھ واقعات پیش آئے اور آپ کو یاد رہے،ان کی روایت بھی کرتی تھیں۔

عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا،آنحضرت ﷺ کی گود میں بیٹھ جاتا تھا،آپ فرماتے:اے لڑکے بسم اللہ کہہ کے دائیں ہاتھ سے اپنے پاس کی چیزیں کھایا کرو،اس کے بعد میرے کھانے کا معمول اسی طرح ہوگیا،آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت عمر بن ابی سلمہ کی عمر نو سال کی تھی۔انہیں حدیثیں زبانی یاد تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی عمر حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت دس سال کی تھی،بروایت دگر پندرہ سال کی تھی۔خطیب بغدادی دوسری روایت کو صحیح تر بتلاتے ہیں۔

غیر صحابی صغیر سن کی روایت وسماعت حدیث :

سفیان بن عیینہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں محدث زہری کے پاس آیا،اس وقت میرے کان میں سونے کا دُر پڑا ہوا تھا اور سر پر گیسو تھے،انہوں نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگے واشنیة واشنیة.اے چھوٹی عمر والے واہ واہ یہاں آؤ، یہاں آؤ،میں نے اس سے زیادہ چھوٹا طالب علم نہیں دیکھا ہے۔سفیان بن عیینہ ایک اور اپنا دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں، چوں کہ ان کی عبارت عربی نہایت مقفی ومسجع ہے اور حسین ہے،جیسے کہ وہ خود بھی حسین تھے،اس لیے ان کی عبارت کو بھی یہاں نقل کرتا ہوں مع ترجمہ،عبارت یہ ہے:

يقول النصر الهلالى كنت فى مجلس سفيان بن عيينة فنظر الى صبى دخل المسجد فكانّ اهل المسجد تهاونوا به لصغر سنه فقال سفيان (كذلك كنتم من قبل فمن الله عليكم) ثم

قال یانصر لورایتنی ولی عشر سنین طولی خمسة اشبار ووجھی کالدینار وانا کشعلة النار ثیابی صغار واکمامی قصار وذیلی بمقدار و نعلی کاٰذان الفار اختلف الی علماء الامصار مثل الزھری وعمرو بن دینار اجلس بینھم کالمسمار محبرتی کالجوزة و مقلمتی کالموزة وقلمی کاللوزة فاذا دخلت المجلس قالوا اوسعوا للشیخ الصغیر قال ثم تبسم ابن عیینة وضحك۔

ترجمہ : نصر ہلالی کہتے ہیں کہ میں ابن عیینہ کی مجلس میں تھا کہ انہوں نے ایک کسی بچے کو مسجد میں آتے ہوئے دیکھا، مسجد والوں نے اس کی کمسنی کی وجہ سے اس بچے کو معمولی جانا، سفیان نے کہا (تم بھی پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا) پھر سفیان بن عیینہ نے کہا: اے نصر! تم مجھے اس وقت دیکھتے جب میں دس برس کا تھا، میری لمبائی پانچ بالشت کی تھی، میرا چہرہ اشرفی کی طرح چمکتا تھا اور میں آگ کا انگارہ بنا ہوا تھا، میرے کپڑے چھوٹے، میری آستین چھوٹی، دامن بھی اسی انداز سے چھوٹا، جوتیاں جیسے چوہے کے کان ایسی حالت میں علمائے دیار کے پاس جاتا، جیسے زہری اور عمرو بن دینار ان کے پاس کیل کی مانند بیٹھتا، میری دوات اخروٹ کی جیسی چھوٹی قلمدان کیلے کے جیسا اور قلم بادام کی مانند ننھا ہوتا، جب اس طرح مجلس میں پہنچتا تو لوگ کہتے اس چھوٹے شیخ (عالم) کو جگہ دو، پھر ابن عیینہ مسکرائے اور ہنسنے لگے۔

صحابی کی ایک تعریف گذشتہ سطور میں بیان کی جا چکی ہے۔عرب اہل لغت کے نزدیک صحابی لفظ صحبت سے مشتق ہے، اس بنا پر جس شخص کو حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت بحالت ایمان حاصل ہوئی ہو، اسے صحابی کہتے ہیں۔خواہ بہت قلیل مدت کی صحبت کیوں نہ ہو اور اس امت اسلامیہ کے عرف عام میں صحابی اسے کہتے ہیں، جسے حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف بحالت ایمان کافی عرصہ تک حاصل ہو اور لقاء وسماعت حدیث کے مواقع زیادہ ملے ہوں، قلیل الصحبت صحابہ کی روایت حدیث بھی معقول سمجھی جاتی ہے، اگر وہ امین اور ثقہ ہوں۔

اسلام سے پہلے بزمانہ جاہلیت عرب کے لوگوں میں جس قدر برائیاں تھیں، ان کی موجودگی میں ان میں دو بڑی فطری خوبیاں بھی تھیں، ایک قوت حافظہ کا وصف ان میں تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنے آباواجداد کے انساب اور قومی روایات کو زبانی یاد رکھتے تھے، ان کے قومی شعراء کاظ کے سالانہ میلہ اور بازاروں میں لمبے لمبے قصیدے سامعین کو زبانی سناتے تھے اور عام لوگ دوسروں کے اشعار اور زبان کے محاوروں کو سن کر برزبان یاد رکھتے تھے، جن کو راویہ کہتے تھے، دوسری خوبی ان میں یہ تھی کہ وہ اپنی عربی زبان کے نکھار کو قائم رکھنے کی بڑی کوشش کرتے تھے، بغیر نوشت وخواند کے وہ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کے جوہر کو سمجھتے اور اس پر فخر کرتے تھے اور یہ عجیب بات تھی کہ دوسری قوموں کی زبانوں کے خلاف عرب کی ستھری زبان سے زیادہ دیہاتوں اور بادیہ نشینوں کی زبان زیادہ ستھری، شیریں اور شستہ ہوتی تھی۔یہی وجہ تھی کہ خلفائے بنوامیہ اپنے فرزندوں کو بچپن ہی میں بدوی قبائل میں بھیج دیتے تھے، تاکہ زبان عربی کی سلاست کے حسن اور جوہر سے آراستہ ہو جائیں۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کو یہ موقع نہیں ملا، اسی وجہ سے اس کی زبان عربی کی خوبیوں سے عاری تھی۔ اہل عرب کے اسلام لانے کے بعد ان کی ان دوخوبیوں سے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بہت مدد ملی۔ وہ قرآن اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور محاسن کے سامنے اپنی زبان آوری کی سپر ڈالنے پر مجبور ہوگئے اور ان محاسن پر ایسے وارفتہ اور فریفتہ ہوئے کہ تھوڑے عرصہ میں ہزاروں حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث پیدا ہوگئے اور اسرار قرآن وحدیث کے سمجھنے میں زبان کی کوئی دشواری نہیں محسوس کی اور حضور نبی کریم ﷺ کے فیض صحبت اور تعلیم سے ہر صحابی استاد کامل اور لائق وفائق معلم بن گیا اور وسیع تر اسلامی مفتوحہ ممالک کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کر دیا۔

زمانہ قبول اسلام کے لحاظ سے محدث شہیر حاکم صاحب مستدرک نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں صحابہ کرام کے بارہ طبقے قرار دیئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) پہلے طبقے میں وہ صحابہ ہیں جو مکہ میں پہلے پہل اسلام لائے، جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت بلالؓ۔

(۲) اس طبقے میں دارالندوہ کے اصحاب داخل ہیں، جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب حضرت عمر فاروقؓ اسلام لائے تو حضور نبی کریم ﷺ کو دارالندوہ لے آئے، یہاں مکہ کی ایک جماعت مشرف باسلام ہوئی۔

(۳) اس طبقے میں وہ صحابہ شریک ہیں جو مکہ میں اسلام لائے اور حضور نبی کریم ﷺ کی اجازت سے سمندر پار تک حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے۔

(۴) اس طبقہ میں وہ صحابہ داخل ہیں، جنہوں نے عقبہ کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی، اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ فلاں اور فلاں شخص عقبیؔ ہے۔

(۵) اس طبقے میں وہ صحابہ شمار کئے جاتے ہیں، جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی اور یہ زیادہ تر انصار ہیں۔

(۶) اس طبقے میں وہ مہاجرین داخل ہیں، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہ مقام قبا پہنچے اور تعمیر مسجد نبوی سے پہلے مدینہ منورہ آئے۔

(۷) اس طبقے میں اہل بدر شریک ہیں، جن کی شان میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ اہل بدر کے حال سے خوب واقف ہے، اسی لیے اس پر ارشاد ہے: اعملو ماشئتم فقد غفرت لکم. جو چاہو سو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

(۸) اس طبقہ میں وہ صحابہ داخل ہیں، جنہوں نے واقعہ بدر اور واقعہ حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی تھی۔

(۹) اس طبقے میں اہل بیعۃ الرضوان شریک ہیں، جن کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ . بے شک اللہ ان ایمان والوں سے راضی ہے، جنھوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی ہے، اسے بیعت الرضوان کہتے ہیں، جو حدیبیہ کے مقام میں واقع ہوئی تھی، جب کہ کفار مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو عمرہ ادا کرنے سے اس مقام پر روک دیا تھا اور پھر اس امر پر مصالحت کی تھی کہ آئندہ سال آپ عمرہ ادا کریں۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جس کے پاس ایک درخت تھا، جو بعد کو سیلاب کی نذر ہو گیا اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ درخت منیٰ اور مکہ کے درمیان تھا، وہ بالکل غلط ہے۔

(۱۰) اس طبقے میں وہ مہاجرین شریک ہیں، جو واقعہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے۔ ان میں حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ اس طبقے میں بکثرت صحابہ داخل ہیں، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے مدت میں خیبر فتح کیا تھا اور مال غنیمت کی وافر مقدار حاصل ہوئی تھی، لوگ چاروں طرف سے آپ کے پاس آئے اور اسلام لائے، آپ نے ان سب لوگوں کو خیبر کی غنیمت سے مال عطا کیا۔

(۱۲) اس طبقے میں وہ اطفال شریک ہیں، جنھوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع وغیرہ کے موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا، ان کا شمار بھی صحابہ میں ہے، جن میں سائب بن یزید اور عبداللہ بن ابی صعیر ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان دونوں کے لیے اور دوسری جماعت کے لیے دعا کی تھی اور ان اطفال میں ابوالطفیل عامر بن واثلہ اور ابن جحیفہ وہب بن عبداللہ ہیں۔ ان دونوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو کعبہ کے طواف کی حالت میں اور زمزم کے پاس دیکھا تھا اور جن سے یہ صحیح روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا ھجرۃ بعد الفتح وانما ھو جھاد ونیۃ. فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی۔ اب صرف جہاد اور نیت کا ثواب ملے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری توجہ صحابۂ کرام کو قرآن پاک کی تعلیم دینے، اسے حفظ کرانے اور اس کی اشاعت کی طرف مبذول تھی اور قرآنی سورتوں اور آیات کی تفسیر وتشریح اور قرآن سے ماخوذ فرائض وواجبات اور عام احکام کے سکھانے کے لیے آپ کی مشغولیت ہمہ وقت رہتی تھی، صحابۂ کرام بھی پوری سعی اور توانائی اور اسلامی جذبہ اور عشق الٰہی وحب نبوی سے سرشار ہو کر قرآن شریف کے پڑھنے، پڑھانے، حفظ کرنے، اس کے معانی ومطالب کے سمجھنے اور اس کے نشر واشاعت میں بہت مصروف رہتے تھے، اس کے علاوہ صحابۂ کرام حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام ہدایات پند وموعظت اور اوامر ونواہی اسی جوش ایمانی سے سماعت کرتے اور ذہن نشیں اور حفظ کرتے تھے، جس جوش اور ولولۂ ایمانی سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور زبانی یاد کرتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کو اپنے کلام معجز نظام کی روایت کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی، جس کی تائید ذیل کی حدیثیں کرتی ہیں:

(۱) عن انس بن مالك رضی الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول حدثوا عنی كما سمعتم ولاحرج الا من افترىٰ علی كذبا متعمدا بغير علم فليتبوأ مقعده من النار۔(کنز العمال، ج:۱۰،ص:۲۳۲)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے حدیث کی روایت کرو، اسی طرح جس طرح سنو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، خبردار! جو شخص بغیر علم کے جان بوجھ کر جھوٹی حدیث مجھ سے منسوب کرے اُسے اپنا ٹھکانا آگ میں بنالینا چاہیے۔

(۲) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تسمعون و يسمع منكم ويسمع ممن يسمع منكم۔(المستدرك للحاكم، ج:۱،ص:۱۷۴)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ حدیث کی سماعت کرتے اور تم سے بھی سماعت کی جائے گی اور جنہوں نے تم سے حدیث کی سماعت کی ہے، ان سے بھی سماعت حدیث کی جائے گی۔

اس حدیث میں صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین تینوں جماعتوں کی روایت وسماعت حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) عن ابن عمر رضی الله عنهما ان النبی صلى الله عليه وسلم قال فی حجة الوداع نضر الله من سمع مقالتی فلم يزد فيها فرب حامل كلمة الى من هو اوعى لها منه۔(الکفایة، مصنفه خطيب بغدادی۔ مسند الشاميين، ج:۱،ص:۲۹۱)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: اللہ اس شخص کو سرسبز رکھے، جس نے میری بات سنی اور اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا۔ بسااوقات سخن بردار شخص دوسرے شخص تک بات پہنچا دیتا ہے، جو اس بات کا زیادہ محافظ ہوتا ہے، سننے والے شخص سے۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث نبوی ہیں، جن سے روایت حدیث کی اجازت ملتی ہے، ان احادیث سے صحابۂ کرام کو اور بعد کو آنے والے تابعین واتباع تابعین اور ثقہ علمائے اسلام کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں تک احادیث نبوی کی تبلیغ کریں، صحابۂ کرام اپنی فطری صلاحیت، حفظ وضبط، فہم وفراست اور صحبت نبوی کی مدت کے لحاظ سے مختلف درجات کے تھے، لیکن اس بات میں سب برابر تھے اور بڑی خصوصیت کے مالک تھے کہ کسی صحابی نے اپنی طرف سے کوئی جھوٹی حدیث بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کی۔ کیوں کہ تمام صحابہ کے پیش نظر یہ حدیث رہتی تھی:

من كذب علی متعمدا فليتبوأ مقعده من النار۔(صحيح البخاری، ج:۲،ص:۱۰۲)

ترجمہ : جس نے قصداً میری طرف جھوٹی بات منسوب کی اسے اپنا ٹھکانا آگ میں بنالینا چاہیے۔

اکثر صحابہ ایسے بھی تھے جو کچھ حدیثیں حضور نبی کریم ﷺ سے سماعت کر گئے اور کچھ حدیثیں دوسرے صحابہ سے سن کے روایت کرتے تھے، جس کا وہ اظہار کر دیتے تھے اور حوالہ دے دیتے تھے، کیوں کہ دنیاوی کاروبار اور مشاغل میں مصروف رہنے کی وجہ سے تمام صحابہ کو ہر وقت صحبت نبوی ﷺ کا شرف حاصل نہیں ہوتا تھا، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام احادیث کی سماعت ہم سبھوں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں کی ہے، ہم اونٹوں کے چرانے میں مشغول رہا کرتے تھے اور دوسرے لوگ صحبت نبوی میں حاضر رہ کر احادیث کی سماعت کرتے تھے، ہم سے جو احادیث نبوی سماعت سے رہ جاتی تھیں، ان کو ہم اپنے اقران اور ہم عمر اصحابِ نبی ﷺ سے جو زیادہ حافظہ اور فہم رکھتے تھے، سماعت کرتے تھے اور اس بارہ میں ہم احادیث کی روایت کرنے والوں سے تشدد کرتے تھے۔

وہ تشدد اس لیے کرتے تھے کہ احادیث کی صحیح روایت بے کم وکاست اور بغیر اضافہ کے ان تک پہنچے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کلام فرماتے ہوتے اور بعض صحابہ خدمت نبوی ﷺ میں اس وقت پہنچتے، جب آپ کا سلسلہ کلام ختم ہونے کے قریب ہوتا تھا۔ آخر میں آنے والے صحابی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا آخری حصہ یا جملہ سن پاتے تھے، اس لیے وہ حدیث کا آخری حصہ یا جملہ ہی سماعت کر دیتے تھے، ایسی ادھوری حدیث کی روایت سے سیاق وسباق کے نہ ملنے کی وجہ سے حدیث کا مطلب بدل جاتا ہے اور صحیح احکام نبوی کے عمل کرنے میں امت کو دشواری کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا تھا، اس لیے دوسرے صحابہ جنہوں نے پوری حدیث سنی ہے نامکمل حدیث کی روایت کرنے والوں کو ٹوک دیتے تھے اور پوری حدیث بیان کرکے اصلاح کر دیتے تھے۔

ایک روز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حدیث نبوی بیان کرتے ہوئے سنا، جب وہ شخص حدیث بیان کر چکا تو حضرت نے اسے ٹوکا اور پوچھا کیا تم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے، اس شخص نے کہا، جی ہاں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، لیکن اس روز جب کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرما رہے تھے، تم غائب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حدیث کا سلسلہ ختم فرما رہے تھے، تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے متعلق فرما رہے ہیں—(الکفایۃ مصنفہ خطیب بغدادی)

دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے حدیث کی روایت کرتے ہوئے فرمایا: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن کراء الارض. یعنی نبی ﷺ نے زمین یعنی کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے (جس طرح ہندوستان میں زمینداری ختم ہونے سے پہلے لوگ اپنے کھیتوں کو سالانہ نقدی بندوبست کرتے تھے) اس حدیث سے کھیتوں کے نقدی بندوبست کی مخالفت ہو جاتی تھی، جو بڑی دشواری کا باعث تھی، لیکن جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت رافع بن خدیج کی ادھوری حدیث کی روایت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا: خدا رافع بن خدیج کو بخشے، میں

اس حدیث کو زیادہ جانتا ہوں اور فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دو شخص آئے (وہ دونوں انصاری تھے) اور آپس میں دونوں اپنے کھیتوں کے سلسلے میں خوب لڑ پڑتے تھے، آپ نے ان دونوں سے فرمایا:

ان کان ھذا شانکم فلا تکرءوا المزارع — (الکفایۃ مصنفہ خطیب بغدادی)

ترجمہ : اگر تمہاری یہ حالت ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ دو۔

حضرت مسدد جو اس حدیث کے درمیانی راوی ہیں کہتے ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث کا آخری جملہ ''لا تکرءوا المزارع'' سنا تھا یعنی کھیتوں کو کرایہ پر نہ دو اور اسی آخری جملہ کی روایت کردی۔

یہ ممانعت صرف دو شخصوں کو آپس میں لڑنے کی وجہ سے کی گئی تھی، جو بالکل مخصوص حکم تھا، اس کا اطلاق عام مسلمانوں پر نہ ہوتا تھا۔ اگر حضرت زید بن ثابت پوری حدیث اور پورے واقعہ کو نہ بیان فرماتے تو حکم عام بن جاتا اور کوئی مسلمان اپنے کھیتوں کا نقدی بندوبست نہیں کرسکتا تھا۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ اس قسم کی نامکمل حدیث نہیں بیان کرنی چاہیے، کیوں کہ اس سے مفہوم بدل جاتا ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ ''المجیب'' کیلئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو تاکہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کمپوز کرا کر ارسال کریں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

بہار میں علم حدیث کے
چند نادر کتب خانے جو ماضی کا حصہ بن گئے

● مولانا طلحہ نعمت ندوی — استھاواں، بہار شریف

صوبہ بہار میں تیرہویں اور چودہویں صدی علم حدیث کی خدمت واشاعت کے لئے بڑی سازگار رہی ہے، اس دوران کئی اہم مطابع نے اس مبارک فن کی خدمت میں حصہ لیا، اسی دورانیہ میں متعدد اہم کتب حدیث کی تشریح وتوضیح بھی ہوئی، علم حدیث کے کئی اہم مجموعے بھی تیار ہوئے، کئی کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے۔ خانقاہوں کا قدیم علمی وحدیثی سرمایہ اور ان کی خدمات تو مستقل ایک موضوع ہے، بالخصوص خانقاہ مجیبیہ کی حدیثی خدمات بھی اور اس کا علمی سرمایہ حدیث دونوں مستقل مطالعہ کا موضوع ہیں، اس لئے یہاں اس پر روشنی نہیں ڈالی جائے گی، علم حدیث کی خدمت میں مطبع خلیلی آرہ نے جو کردار ادا کیا، نیز آرہ کے علمائے حدیث نے جو خدمات انجام دیں وہ مجموعی طور پر سب سے اہم ہیں، بیسیوں قدیم مصادر حدیث اور اس فن کے بعض غیر معروف مجموعے اپنی اولین طباعت کے لئے اسی مطبع کے ممنون احسان ہیں، اس شہر کے علمائے محدثین میں مولانا ابومحمد ابراہیم آروی اور مولانا علی اکرم آروی کے نام سب سے نمایاں ہیں، کتابوں کی اشاعت کے لئے ایک اہم ذخیرۂ کتب کی ضرورت سے اہل علم انکار نہیں کرسکتے، چنانچہ یہ ذخیرہ یہاں بھی موجود تھا لیکن اس پورے سرمایہ کی موجودہ حالت کیا ہے، اس کا علم نہیں۔

مولانا سعید حسرت عظیم آبادی کا کتب خانہ:

اس کے علاوہ عظیم آباد میں مشہور عالم اور محدث ومدرس مولانا سعید حسرت عظیم آبادی کا کتب خانہ علم حدیث کے نادر کتب سے مالامال تھا جس کا تذکرہ ان کی سوانح کے ضمن میں کئی جگہ ملتا ہے لیکن اس ذخیرہ کی تفصیلات قلمبند نہیں ہوسکیں، بعد میں اس کا ایک بڑا حصہ کتب خانہ خدابخش منتقل ہوگیا۔ مولانا محمد سعید نے علمائے حجاز سے بھی کتب حدیث کی اجازت حاصل کی تھیں اور

نادر کتابوں کی ذخیرہ اندوزی کا جو ذوق انہیں ودیعت ہوا تھا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قرین قیاس ہے کہ ان کے کتب خانہ میں فن حدیث کا بڑا حصہ حجاز کے کتب خانوں سے نقل کردہ کتابوں پر مشتمل ہوگا، نیز بعض اشارات سے اندازہ ہوتا ہے انہوں نے ہندوستان سے بھی بہت سے نادر ذخیرے خرید کر اپنے کتب خانہ میں اضافہ کیا تھا۔ بدرالدین عظیم آبادی ان کے کتب خانہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا محمد سعید مرحوم نے اپنا ذاتی کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں عربی اور فارسی کی بکثرت نادر کتابیں اور قلمی نسخے جمع کئے گئے تھے، جب حج کے لئے مکہ معظمہ گئے اور وہاں قیام کیا تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور دیگر بلاد عربیہ سے ہزاروں نایاب کتابیں اور قلمی نسخے خرید کرلائے، مگر افسوس ہے کہ جس طرح ان کا گھر ویران ہوا یہ قیمتی کتب خانہ بھی تلف ہوگیا، مولانا کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حافظ نذرالرحمن حفیظ مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے کمسن لڑکے خلیل الرحمن بھی گھر کو سنبھالتے سنبھالتے ختم ہوگئے''۔۔۔(۱)

سید قیام الدین نظامی فردوسی لکھتے ہیں:

''مولانا کی لائبریری کی تمام کتابیں اور قلمی نسخے جناب پروفیسر سید حسن صاحب مرحوم کے پاس تھیں، پروفیسر صاحب موصوف نے راقم کو بتایا تھا کہ انہوں نے مولانا کے کتب خانہ کی تمام کتابیں خدا بخش اورینٹل لائبریری کو دے دیں''۔۔۔(۲)

علامہ شوق نیموی کا کتب خانہ :

مشہور محدث علامہ ظہیر احسن شوق نیموی نے جب فقہ حنفی کے دفاع میں علم حدیث کی ایک جامع کتاب کی تصنیف کا منصوبہ بنایا (جو بعد میں آثار السنن کے نام سے منظر عام پر آئی) تو اس کے لئے ہندوستان سے علم حدیث، اصول حدیث اور علم اسماء الرجال کی کتابیں منگوائیں، اور ایک نادر ذخیرہ جمع کیا جو ان کے وطن میں موجود تھا۔

ایک جگہ اپنی کتاب اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید میں معرفۃ السنن والآثار کے ضمن میں حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب جو ہندوستان کیا عرب میں بھی کمیاب تھی، جس کے دیکھنے کو لوگوں کی آنکھیں ترستی ہیں، مؤلف کے کتب خانہ میں موجود ہے، فالحمد للہ علی ذلک''۔۔۔(۳)

اپنی سوانح میں آثار السنن کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''آج کل بطور مشکاۃ شریف حدیث میں آثار السنن نام ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے، جس کے لئے بلاد مختلفہ خصوصاً مصر وروم وحرمین شریفین کا سفر درکار ہے، السعی منی والاتمام من اللہ...... حضرت واہب العطایا کا مجھ پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ فن حدیث میں جس کا شوق مجھ کو زیادہ ہے چند قلمی کتابیں ایسی ہاتھ آگئی ہیں جو ہندوستان کیا عرب میں بھی کمیاب ہیں''۔۔۔(۴)

ان کا کتب خانہ ان کے وطن نیمی (ضلع پٹنہ حال نالندہ) میں ہی تھا،اور وہ وہیں بیٹھ کر آثار السنن کی تالیف کا کام کر رہے تھے،اس وقت شہر عظیم آباد سے بھی ان کا تعلق تھا،ممکن ہے کچھ کتابیں یہاں بھی ہوں،جو ان کی وفات کے بعد وطن واپس چلی گئی ہوں،بہرحال وہاں یہ سرمایہ موجود تھا جو بہار کے ۱۹۴۶ کے فساد میں ضائع ہوگیا۔

مولانا مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''مرحوم کا نایاب کتب خانہ ۴۶ تک محفوظ تھا،نومبر ۴۶ء کے کشت وخون میں یہ انمول موتی بھی لٹ گئے''۔(۵)

اب دیہات کے ان تین کتب خانوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو اپنی ندرت میں بے نظیر تھے،اور اب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں،یہ تین دیہاتوں میں تین نامور محدثین کے جمع کردہ کتب خانے تھے۔

ان میں سب سے زیادہ اہم کتب خانہ ایک معروف عالم اور ہندستان کے اسانید حدیث کی ایک مشہور کتاب ''الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی'' کے مصنف جواں مرگ عالم ومحدث شیخ محسن بن یحییٰ ترہٹی مونگیری کا ہے جو انہوں نے مکمل حجاز سے لاکر اپنے وطن میں آراستہ کیا تھا،افسوس کہ مولانا کی جواں مرگی نے اسے گمنام کردیا،اس کا کسی قدر تفصیلی تعارف مولانا سید منت اللہ رحمانی کے قلم سے ملتا ہے جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کے نام مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے ایک مکتوب کے حاشیہ میں ہے،مولانا نے سید صاحب کو لکھا تھا:

''سن کر بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ خضر چک اور شکراواں کا کتب خانہ دونوں تباہی کے قریب آگا ہے،نالائق وارثوں کا عجیب حال ہے،نہ خود ان کتابوں کی خدمت کرتے ہیں اور جہاں ان کی خدمت ہوسکتی ہے وہاں منتقل بھی نہیں کرتے''۔(۶)

اس پر مولانا رحمانی کا نوٹ حسب ذیل ہے:

''شمالی مونگیر کا ایک گاؤں خضر چک ہے،یہ کتب خانہ وہیں واقع ہے،کتب خانہ کے بانی مولانا سید محمد محسن محدث ہیں۔ آپ کے والد منشی غلام یحییٰ موضع مظفرہ متصل بیگو سرائے ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے اور انگریزی حکومت میں ناظر کے منصب پر سرفراز تھے،ملازمت کے سلسلہ میں ایک عرصہ تک پورنیہ میں بھی رہے،ملازمت کے علاوہ بڑی جائیداد کے مالک تھے،جوانی ہی میں مظفرہ سے خضر چک آکر مقیم ہوگئے تھے،اس وقت خضر چک کا علاقہ سرکار ترہٹ میں تھا،اپنے صاجزادے مولانا محسن کی تعلیم پر دل کھول کر خرچ کیا،مولانا علیہ الرحمۃ نے ابتدائی تعلیم کلکتہ میں اور انتہائی تعلیم دلی میں حاصل کی اور حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں تھے،آپ ہی نے الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی لکھی،ہندوستان سے مروجہ تعلیم کی فراغت کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا اور مسلسل سات سال مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور مسجد حرام میں درس دیتے رہے،وہیں سے کتابیں جمع کرنا شروع کیں، حجاز کے کتب خانوں میں جو نایاب کتابیں تھیں ان کی نقلیں کرائیں،اور مطبوعہ کتابیں بازار سے لیں،اور ہندوستان واپس

آئے تو ایک قیمتی کتب خانہ بھی ساتھ لائے جسے اپنے مکان واقع خضر چک ضلع مونگیر میں مرتب کیا اور سجایا، ایک روایت کے مطابق کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار تھی، تعداد جو بھی ہو، کتب خانہ وسیع اور قیمتی تھا، خصوصاً فن حدیث کا بہترین متداول اور نایاب ذخیرہ یہاں موجود تھا، ۱۹۰۰ء میں ہندوؤں نے بعض اختلافات کی بنا پر گاؤں پر حملہ کیا، باغوں کے درخت تک کاٹ ڈالے اور کتابوں کو دریا میں ڈال دیا اور پھاڑ دیا، پھر بھی پانچ ہزار کتابیں رہ گئی تھیں، حیدرآباد سے شائع شدہ مستدرک حاکم کی جن نسخوں کو سامنے رکھ کر تصحیح کی گئی ان میں سے ایک نسخہ خضر چک کے کتب خانہ سے بھی گیا تھا، مولانا سید ہاشم ندوی نے مستدرک حاکم مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد میں خاتمۃ الکتاب میں لکھا: ”انا جمعنا نسخاً عدیدۃ لمستدرك الحاکم من مکاتیب بمبئی...... منہا نسخہ...... ناقصہ من مکتبہ امیر الدین اشرف الکیلانی“۔ یہ امیر الدین اشرف امیر موصوف کے بھانجے تھے، ان کے مکتبہ سے مراد کتب خانہ خضر چک ہی ہے۔ افسوس کہ ہندوؤں کے حملہ سے بچی ہوئی کتابیں بھی اب بالکل ضائع ہوگئیں، راقم الحروف نے آج سے تین سال پہلے اس کی فہرست تیار کرائی تھی، اب کل ۲۴۷ کتابیں ہیں، وہ بھی اکثر ناقص جن میں نایاب قابل ذکر ایک بھی نہیں“۔۔۔(۷)

شاید اخیر میں کچھ کتابیں بچی تھیں جو خدا بخش لائبریری کو دے دی گئیں۔

کتب خانہ شکراواں۔۔۔(۸) جس کا ذکر مولانا کے مکتوب میں گذرا مولانا رحمانی نے اس کا بھی تعارف کرایا ہے، مشرقی مگدھ (حال ضلع نالندہ) کا یہ دوسرا اہم کتب خانہ تھا، جس کے بانی ایک معروف عالم ومحدث مولانا رفیع الدین شکرانوی تھے، مولانا رحمانی سے قبل اس کا اور عظیم آباد کے قریب کے ایک دوسرے دیہات ڈیاواں میں موجود مشہور محدث علامہ شمس الحق عظیم آبادی کے کتب خانہ دونوں کا تعارف مولانا ابوسلمہ شفیع بہاری نے ماہنامہ برہان دہلی کے دو شماروں میں کرایا تھا، اور نوادرات کی کسی قدر تفصیل بھی ذکر کی تھی۔

ذیل میں انہیں دونوں مضامین کو پیش نظر رکھ کر ان دونوں کتب خانوں کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ پہلا مضمون ”کتب خانہ ڈیاواں“ جنوری ۱۹۵۷ میں اور دوسرا ”کتب خانہ ڈیاواں“ اس سے چند سال قبل جولائی ۱۹۵۰ میں شائع ہوا ہے۔ دونوں میں بانی کتب خانہ کے حالات اور نوادر کا تعارف کرایا گیا ہے، لیکن مولانا رفیع الدین شکرانوی کے کتب خانہ کا ذکر اس اعتبار سے اہم ہے کہ وہ بہت نادر اور نایاب کتابوں کے وسیع سرمایہ پر مشتمل تھا، اور یہاں ایک پریس قائم کر کے فن حدیث کی کئی اہم کتابوں کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔

مولانا صدیقی النسب تھے۔۔۔(۹) اور بڑے صاحب ثروت بھی، جس کو انہوں نے علوم دینیہ خصوصا علم حدیث کی مبارک خدمت میں صرف کیا، انہوں نے معقولات کی تعلیم اپنے علاقہ کے مشہور معقولی عالم مولانا محمد احسن گیلانی (جد بزرگوار

مولانا سید مناظر احسن گیلانی) سے گیلان میں اور منقولات کی تعلیم مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے دہلی میں حاصل کی،اس کے بعد امرتسر جا کر مولانا عبداللہ غزنوی سے بیعت بھی ہوئے،اوران کی صحبت میں کچھ وقت گذارا، پھر وہاں سے حج کے لئے تشریف لے گئے،اور ڈیڑھ سال کے قیام کے بعد واپس ہوئے،واپسی میں بمبئی سے ایک پریس بھی لے کر آئے،اور کتابوں کا وہ نادر ذخیرہ بھی جو مکہ مکرمہ کے زمانۂ قیام میں اجرت پر نقل کروایا تھا،انہوں نے حجاز کے کتب خانوں سے جس طرح کتابیں نقل کروائیں اس کا تذکرہ مولانا ابوسلمہ شفیع کی زبانی سنئے:

''حجاز کے کتب خانوں نے ایک نیا اثر ڈالا،اب مولانا ہمہ تن قلمی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے،جو کچھ روپیہ جاتا تھا سب کو کتابوں ہی پر بے دریغ خرچ کرنے لگے،اور خود عسرت کی زندگی وہاں بسر کرنا قبول کیا،چنانچہ تفسیر ابن کثیر پر گیارہ سو اور تفسیر طبری پر ۲۳ سو روپے خرچ ہوئے،مولانا کا قیام مکہ معظمہ ہی میں رہتا تھا لیکن کتابیں مدینہ منورہ میں بھی نقل ہوتی تھیں،اوسطاً ڈیڑھ سو وراق روزانہ کام پر مامور تھے،حجاز پر اس وقت ترکوں کا پرچم لہرا رہا تھا،شکایت پہنچائی گئی کہ کتب خانوں میں ہلڑ مچا ہوا ہے،تفتیش ہوئی اور ناظم کتب خانہ سے جواب طلب کیا گیا،جواب دیا کہ اب تک سبعہ معلقہ اور حماسہ اور اس کے شروح وحواشی کے دلدادہ ہی زیادہ تر اس کتب خانہ سے استفادہ کیا کرتے تھے لیکن اس ہندی نوجوان جیسا صاحب ذوق اور ستھرا مذاق کا اب تک میری نظامت میں کوئی نہیں آیا ہے،تفسیر وحدیث سے والہانہ عقیدت ہے، اور اس پر جان ومال دونوں نچھاور کرتا ہے،اور انہیں کی وہ نقل لیتا ہے،سلطان اس سے بہت متاثر ہوئے اور ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچانے کا حکم صادر کیا،اور مولانا سے ملنے کی خواہش کی مگر مولانا کی افتاد طبع ایسی تھی کہ ٹال گئے اور ملے نہیں۔تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ مولانا نے اپنے کتب خانہ پر صرف کیا''۔۔۔(۱۰)

مولانا گیلانی نے بھی اپنی کتاب ''مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں جا بجا مولانا اور ان کے کتب خانہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابوں کا جتنا بڑا ذخیرہ یہاں تھا کہیں اور مشکل سے ہوگا۔انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اشاعت سے پہلے تفسیر طبری کی مکمل تیس جلدوں کے صرف تین نسخے پوری دنیا میں تھے جن میں سے ایک یہاں تھا۔۔۔(۱۱) مولانا نے وطن واپس آ کر اور وہاں مستقل قیام کر کے ایک تو حدیث کی بلند پایہ کتابوں کی تصحیح واشاعت کا کام شروع کیا، دوسرے تدریس کا، ان کی اسی بستی میں قرب وجوار کے علاوہ بیرون ملک کے لوگ بھی ان سے استفادہ کے لئے آتے،اور سب مولانا کے مہمان ہوتے،خراسان کے مولوی عبداللہ صاحب مسلسل تین سال تک مقیم رہے۔۔۔(۱۲) سب سے پہلے مولانا نے سنن ابوداود کا ایک صحیح نسخہ اپنے حواشی کے ساتھ شائع کیا۔پھر یہ پریس کسی اور کو دے دیا۔۔۔(۱۳) ان کی کتابوں میں رحمۃ الودود علی سنن ابی داود، تعلیقات علی سنن النسائی،اور کتاب الاذکار کے علاوہ چند آیات کی تفسیریں ہیں،وہ قرآن وحدیث دونوں کا درس دیتے تھے،اور دونوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔

خدا بخش خاں سے مولانا کے بہت گہرے مراسم تھے اور مولانا گیلانی کے بقول کتابوں کی ذخیرہ اندوزی میں خاں صاحب نے مولانا سے بہت استفادہ کیا ہے، ورنہ علوم اسلامیہ کا اتنا اعلیٰ ذوق کسی عالم کی رفاقت کے بغیر مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔۔۔(۱۴)اس کا ذکر مولانا سے مولانا شکرانوی کے صاجزادے مولانا عبدالمتین صاحب نے کیا تھا۔عجب نہیں کہ ایک عرب کو جو وکیل صاحب نے کتابوں کی جمع آوری کے لئے ملازم رکھا تھا اور اس نے عرب میں گھوم گھوم جو نوادر جمع کئے اس میں مولانا کی رہنمائی شامل ہو۔مولانا نے ۱۹۱۹ء میں وفات پائی۔۔۔(۱۵)

مولانا ابوسلمہ نے جس وقت اس کتب خانہ کی تفصیلات قلمبند کی ہیں، وہ تقسیم ہند کے بعد کا دور تھا، اور اس وقت تک اس کتب خانہ کا اچھا خاصا سرمایہ ضائع ہو چکا تھا، مولانا نے تو صاحب کتب خانہ کو نہیں دیکھا تھا لیکن ان کے خسر مولانا اصغر حسین بہاری (مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) مولانا کے شاگرد تھے، اس لئے ممکن ہے کہ براہ راست ان سے بہت سی باتیں سنی ہوں، نیز عجب نہیں کہ مولانا گیلانی نے بھی ان کو اس طرف متوجہ کیا ہو، کیوں کہ وہ مولانا سے بھی بہت قریب تھے۔

انہوں نے علم حدیث کی جن نادر کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

سنن دارقطنی، بہت قدیم نسخہ،التلخیص الحبیر،شرح الفیۃ الحدیث عراقی،شرح سنن ابن ماجہ حافظ مغلطائی،موتلف ومختلف دارقطنی،شیخ ولی اللہ فرخ آبادی کی شرح مسلم،الاصابہ فی تمییز الصحابہ،فتح الباری کی مکمل جلدیں،بخاری شریف کا بڑا خوش خط نسخہ،شرح مشکاۃ المصابیح للزینی،جو بہت ہی نادر ہے،اس کے علاوہ ابن الجوزی کی کتاب الکشف لمشکل الصحیحین۔سیوطی کی شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور تو بہت مشہور ہے لیکن محمد بن احمد الانصاری قرطبی کی التذکرۃ فی کشف احوال الموتی وامور الآخرۃ اور ابن رجب حنبلی کی کتاب احوال القبور ومعرفۃ احوال اھلھا الی یوم النشور بہت نادر ہے، گرچہ اب چھپ چکی ہے، ان کے نسخے یہاں موجود تھے۔ان کے علاوہ تقریبا سیکڑوں کتابوں کے نام ہیں،فقہ کے بھی معتدبہ ذخیرہ کا ذکر ہے،تصوف پر بھی متعدد کتب کا ذکر ہے،ابن قیم اور تیمیہ کی بہت سی کتابوں کا ذکر ہے۔۔۔(۱۶)

ان کتابوں کی اب تو کوئی اہمیت نہیں رہی کیوں کہ اب سب چھپ کر عام ہو چکی ہیں،بلکہ بیک جنبش انگشت ہماری دسترس میں ہیں،لیکن جس وقت وہ جمع کی گئی تھیں اس وقت ان کو دیکھ لینا بھی خوش قسمتی تھی۔

معلوم نہیں بعد میں اس کتب خانہ کا کیا ہوا،ضائع ہوا یا کتب خانہ خدا بخش میں کتابیں دے دی گئیں یا کہیں اور۔۔۔(۱۷)

علامہ شمس الحق عظیم آبادی کی شخصیت کا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں،ان کی شخصیت سے علم حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہوگا،مولانا بھی گھر کے رئیس تھے اس لئے تکمیل تعلیم کے بعد اپنی نانہال ڈیاواں میں بیٹھ کر علم حدیث کی خدمت کے لئے یکسو ہو گئے،تصانیف کی شہرت نے تشنگان علم کو ان کی طرف کھینچا،اور مولانا تصنیف کے ساتھ تدریسی خدمت بھی انجام دینے لگے،لیکن علم حدیث کی نشر واشاعت ان کے پیش نظر تھی اس لئے اس فن کی نادر کتابیں بہم پہنچائیں،

مولانا ابوسلمہ کے بقول مولانا کے مال کا مصرف ہی علم حدیث کی کتابوں کی خریداری تھا،بعض کتابیں تو اس مضمون کی تحریر کے وقت بھی نایاب ہی تھیں،مولانا شکرانوی کی طرح مولانا بھی طلبہ کی مہمان نوازی اورا کرام کا پورااہتمام فرماتے۔

مولانا ابوسلمہ شفیع کے بقول مولانا کے پاس کتابوں کے حصول کے دوتین اہم ذرائع تھے،عالم عربی سے جوعلماء وطلباء استفادہ کے لئے آتے وہ بعض نادر قلمی کتابیں لاتے اورمنہ مانگی قیمت پاتے، کچھ ہدیہ میں بھی آتے ہوں گے،’’دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایک عرب مسند ابوعوانہ لائے،مولانا مطالعہ میں مشغول تھے،فرط انبساط سے بے خود ہوکر اچھل پڑے،پوچھا کیا قیمت ہے،عرب نے جو قیمت بتائی اس سے زائد ہی دی‘‘۔۔۔(۱۸)

دوسرے مولانا زین العابدین آروی تھے،جوحیدرآباد میں رہتے تھے،اورمولانا کے لئے کتابیں خریدتے تھے،اورتیسرا نام مجیب بن حبیب اللہ عظیم آبادی کا ہے جومولانا کے لیے کتابیں فراہم کرتے تھے۔

جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں مسند ابوعوانہ،معالم السنن خطابی،جس کا نسخہ اس وقت تک مصر میں بھی نہیں تھا، اس نسخہ پر مولانا نے خود سے تحریر فرمایا ہے ،قد من اللہ علیّ باشتراء ھذا الکتاب.کتاب الشفا قاضی عیاض ، کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث ،اطراف عبدالغنی النابلسی،جو بہت نادر ہے،معرفۃ السنن والآثار بیہقی ، یہ بھی اس وقت تک شائع نہیں ہوئی تھی ،صاحب مضمون مولانا ابوسلمہ نے خود کتابت کرکے اسی وقت اپنے وطن میں اپنے مکتبہ علم وحکمت بہار شریف سے شائع کی تھی۔

اس کے علاوہ سیکڑوں کتابوں کا ذکر ہے،مطبوعات اس کے علاوہ تھیں،مولانا کے بقول’’ان کے علاوہ اس کتب خانہ میں اوربھی بہت سی گراں قیمت کتابیں تھیں پر مولانا کے بعد ضائع ہوگئیں،پھر بھی جو بچ گئی تھیں وہ کم اہم نہ تھیں،مگر اس کو کیا کیا جائے کہ فلک کج رفتار اسے بھی نہ دیکھ سکا،اور ۴۶ء کے ہنگامہ کے بعد بچی کچھی کتابیں مشرقی کتب خانہ بانکی پور میں داخل کردی گئیں،اوراب غالباً مولانا کے مکان میں مسلم پناہ گزیں مقیم ہیں‘‘۔۔۔(۱۹)

ہمیں مولانا ابوسلمہ شفیع کا ممنون ہونا چاہئے کہ ان کی بدولت یہ کتب خانے نہ سہی ان کی فہرستیں اورتاریخ تو محفوظ ہوگئی، کاش کتب خانہ خضر چک،علامہ شوق نیموی،اورمولانا سعید عظیم آبادی کے کتب خانوں کی تفصیلات بھی قلمبند ہوکر محفوظ رہتیں۔

اب ایک تاریخی تذکرہ سے ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے،لیکن کاش کہ اسی سے اپنے بزرگوں کے علوم اور اپنے علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنے کا جذبہ پیدا ہوسکے،کتابوں کے ضیاع پر اگر لکھا جائے تو بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔

حواشی :

(۱) حقیقت بھی کہانی بھی،بدرالدین عظیم آبادی،مطبوعہ بہار اردو اکیڈمی پٹنہ،ص: ۳۱۴

(۲) شرفا کی نگری،سید قیام الدین نظامی فردوسی قادری،نظامی اکیڈمی کراچی،پاکستان ۱۹۹۵ء۔جلد دوم صفحہ ۳۱۴

(۳) اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید،ص:۸۲ مطبوعہ بہار شریف ۲۰۲۰ء۔
(۴) یادگار وطن،ص:۱۲۰ مطبوعہ پٹنہ طبع اول۔
(۵) مکاتیب سلیمان،ص:۳۵۔ مطبوعہ کراچی۔مولانا ابوسلمہ شفیع نے بھی حادثہ بہار میں اس کے ضائع ہونے کا ذکر اپنے مضمون''کتب خانہ ڈیاواں''میں کیا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔
(۶) مکاتیب گیلانی،مرتبہ مولانا منت اللہ رحمانی مطبوعہ خانقاہ رحمانی،مونگیر۔۱۹۷۲ء۔ص:۳۷۴
(۷) مکاتیب گیلانی،مرتبہ مولانا منت اللہ رحمانی مطبوعہ خانقاہ رحمانی،مونگیر۔۱۹۷۲ء۔ص:۳۷۴[مولانا نے اپنے وطن میں یہ کتب خانہ ترتیب دیا تھا،لیکن جلد ہی ان کی وفات ہوگئی تو ان کے والد نے جن کا کوئی وارث نہیں تھا،ان کے نام پر وہاں کی ایک بڑی زمین وقف کردی تھی،جہاں معلوم نہیں کب تعلیم ہوئی اور کس طرح کی تعلیم ہوئی،لیکن ایک زمانہ سے یہ سلسلہ منقطع تھا،کتابیں سب ضائع ہوگئیں یا کچھ بچیں تو خدا بخش لائبریری منتقل کردی گئیں،ممکن ہے کچھ کتابیں خانقاہ رحمانی مونگیر بھی پہنچی ہوں،لیکن ایک زمانہ کی ویرانی کے بعد اب پھر وہاں ایک چھوٹے مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔اور اس کی ازسرنو عمارت تعمیر کی گئی ہے۔
(۸) قدیم تحریروں میں ہر جگہ اس طرح کے ناموں کو ن کے ساتھ شکرانواں اور ڈیانواں لکھا گیا ہے لیکن راقم نے معاصر مذاق کے مطابق اور املا کی تسہیل کے پیش نظر اس کو بغیر نون کے لکھا ہے،کیوں کہ اب بڑی تعداد ناواقفیت کی وجہ سے نون غنہ کے بجائے نون کے تلفظ کے ساتھ پڑھنے لگتی ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے،البتہ نسبت املائے قدیم کی بنا پر ڈیانوی اور شکرانوی ہی بہتر معلوم ہوتی ہے،عربی زبان میں اس کی دسیوں مثالیں ہیں۔
(۹) یہ عجیب بات ہے کہ عظیم آباد کی سرزمین پر علم حدیث کی خدمت کرنے والے تین عظیم حضرات تھے اور تینوں معاصر ہونے کے ساتھ صدیقی النسب۔دو بزرگ تو عظیم آباد سے قریب ہی کے دیہات کے رہنے والے تھے،یعنی علامہ شمس الحق عظیم آبادی اور علامہ نیموی،اور تیسری شخصیت یعنی مولانا رفیع الدین شکرانوی بالکل ضلع کی مشرقی سرحد پر مقیم تھے۔اور شیخ محسن بن یحییٰ ترہٹی بھی صدیقی النسب ہی ہیں۔
(۱۰) ماہنامہ برہان،جنوری ۱۹۵۷۔ص:۴۱
(۱۱) بحوالہ سابق۔
(۱۲) حوالہ سابق،ص:۴۱
(۱۳) حوالہ سابق۔
(۱۴) بحوالہ دبستان نذیریہ،ازتنزیل صدیقی،ص:۴۰۷ مطبوعہ دارابی الطیب گوجرانوالہ،۲۰۱۸ء
(۱۵) تفصیلی حالات جناب تنزیل صدیقی کی کتاب دبستان نذیریہ(مطبوعہ دارابی الطیب گوجرانوالہ)میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔
(۱۶) تفصیل کے لئے دیکھئے اصل مضمون محولہ بالا۔
(۱۷) مولانا کے وطن کے قریب ہی ایک دوسرے معروف عالم مولانا عبدالغفور رمضان پوری کا کتب خانہ ان کے وطن کے قریب کی بستی کوند میں ان کے اخلاف کے یہاں بہت حد تک محفوظ ہے لیکن اس میں زیادہ تر مطبوعہ کتابیں ہیں،مولانا کے وطن کی طرف اب تک ذہن نہیں گیا کہ جاکر حالات معلوم کئے جائیں۔
(۱۸) ماہنامہ برہان،دہلی،جولائی ۱۹۵۰
(۱۹) مضمون محولہ بالا ص:۵۹

❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊❊

فہم اذان سرمایۂ ایمان

• سید محمد نیر رضوی ـــــ سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

اذان ہی تو ہے جو دنیا کو اہل ایمان کی بستی کا پتہ دیتی ہے اور اہل حق کی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ آج اس پر آشوب دور میں بھی یہ امر الٰہی کس قدر باعث تسکین ہے کہ مسلم گھرانہ میں پیدا ہونے والا بچہ بچہ موذن کی اذان اور مقصد اذان سے اچھی طرح واقف ہے۔ مساجد شعائر اللہ ہیں جہاں سے اذان جب پکاری جاتی ہے تو علم و دانش اور عقل وشعور کا ایک جہاں آباد ہوجاتا ہے۔ مگر اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ موذن کے مجاہدہ سے وہ کون ہے جو روشناس نہیں؟ اسلامی معاشرہ یہاں تک کہ غیر اسلامی معاشرہ بھی موذن کے مجاہدہ سے بخوبی واقف ہے۔ ہر کس وناکس موذن کی اذان کو بخوبی جانتا اور پہچانتا ہے تبھی تو موذن کی پکار پر یا تو کوئی لبیک کہہ رہا ہے یا کوئی احتجاج کر رہا ہے۔ اور موذن کا مجاہدہ دیکھئے: کڑاکے کی ٹھنڈ پڑ رہی ہو یا جسم وجاں جھلسا دینے والی سورج کی تپش ہو یا تیز برسات ہو یا کسی اور طرح کی دیگر آفات و بلیات، وہ ان تمام دشواریوں کی پروا کئے بغیر اپنی نیند قربان کر چوبیس گھنٹہ میں پانچ بار یعنی فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی بالترتیب نمازوں کے لئے اذان پکارنے کے واسطے کھڑا ہوجاتا ہے اور اپنے اس فرض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں برتتا۔ اذان کیا ہے؟ ایک دعوت عظیم ہے جو ہماری مصروفیت اور خواب غفلت سے نکال کر ہمیں اللہ کی عبادت کی جانب راغب کرتی ہے۔ اذان کیا ہے؟ اذان دنیا میں عظمت اسلام کی علامت ہے۔ موذن جب اذان دے رہا ہے تو وہ درحقیقت اللہ رب العزت کی وحدانیت اور اس کی کبریائی بیان کر رہا ہے، دنیا میں نبی آخر الزماں ﷺ کی رسالت کا اعلان کر رہا ہے، انسان اور انسانیت کی بقا، خیر و برکت، خیر و بھلائی اور حقیقی امن چین کی جانب بلا رہا ہے اور ہر طرح کی فلاح و بہبود کے لئے متوجہ کر رہا ہے۔ وہ اذان کے معرفت بطور خاص اللہ کی عبادتوں میں سب سے اہم عبادت یعنی نماز کی جانب بلا رہا ہے جس کے بارے میں مجموعی طور پر بہ اتفاق رائے شریعت وطریقت کا واضح موقف ہے کہ

روز محشر کہ جاں گداز بود
اوّلیں پرسش نماز بود

یہ اذان کا کرشمہ ہے اور مسجد کے موذن کی آواز کی تاثیر ہے کہ اذان سنتے ہی اہل ایمان کے قلب کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہ بھی ہر طرح کی دشواریوں کے باوجود اللہ کی عبادت کے لئے نماز کے واسطے مسجد کی جانب رواں دواں ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے مسجد نہ آسکے تو اپنے اپنے گھر ہی پر اللہ کے حضور اپنا سر جھکا لیتے ہیں۔ موذن کی اذان بندۂ مومن کے لئے امتحان کی گھڑی بھی ہے۔ موذن نے جیسے ہی کہا ”نماز نیند سے بہتر ہے“۔ فہم اذان یہی ہے کہ بہت سو چکے، اب نیند موت ہے اور نماز زندگی ہے۔ چنانچہ اب بندۂ مومن کو چین کہاں؟ وہ اگر اپنی نیند قربان کر کڑاکے کی ٹھنڈ میں گرم رضائی کا لطف قربان کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی سے وضو بناتا ہے اور نماز کے لئے مسجد کی جانب نکل پڑتا ہے تو پھر سمجھئے کہ امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ اس لئے کہ اُس نے اپنے نفس کے حکم کو پیچھے کیا اور اللہ کے حکم کو آگے کیا۔ ورنہ سیکڑوں مل جائیں گے جنہوں نے اذان کی آواز سنی مگر کمبل نہیں چھوڑا اور اپنے نفس کی غلامی کو اللہ کی بندگی کے مقابلہ آگے کر دیا۔ نام ’عبد اللہ‘ ہے مگر ہیں ’عبد النفس‘۔ اسی طرح جب بندۂ مومن مسجد کے موذن کی اذان سنتے ہی نماز پڑھنے کے لئے اپنی نانِ شبینہ کے حصول کے واسطے جاری جدو جہد میں سے، یا حصول زر کے لئے جاری کدو کاوش میں سے یا اپنی اپنی بے حد مصروفیت بھری زندگی کے قیمتی اوقات میں سے اُن قابل قدر لمحات کی قربانی دیتا ہے جس کی وجہ سے اُس کی اپنی دانست میں اُس کی دولت دنیا میں اضافہ ہوسکتا تھا یا اُس کے عیش وآرام میں مزید اضافہ ہوسکتا تھا، تو پھر سمجھئے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ حوران بہشتی تو بس ایسے ہی نمازی، متقی اور پرہیزگاروں کے لئے آنکھیں بچھائی بیٹھی ہیں اور اُن کی راہیں تک رہی ہیں۔

مورخین کے اقوال زریں سے پتہ چلتا ہے کہ اذان کا آغاز تقریباً ۲؍ہجری میں اُس وقت ہوا جب اللہ کے رسول، امام الانبیاء، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک رات کے پچھلے پہر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور انہیں اذان کے الفاظ سکھائے جسے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو سکھایا تھا۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چھت پہ چڑھ گئے اور اپنی نہایت ہی خوبصورت اور مترنم آواز میں اذان پکاری اور لوگوں کو نماز کے لئے جمع ہونے کی دعوت دی۔ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ مدینہ منورہ میں ۲؍ہجری میں جب مسجد نبویؐ کی تعمیر مکمل ہوئی اور باجماعت نماز کی ادائے گی کی اطلاعات کی ترسیل کا مسئلہ درپیش ہوا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا۔ وقت مقررہ پر سب جمع بھی ہوئے، مشورہ بھی ہوا۔ مختلف طرح کی تجاویز بھی پیش کی گئیں مگر آپ ﷺ مطمئن نہ ہوسکے۔ دوسرے ہی دن علی الصبح قبیلہ خزرج سے وابستہ ایک قابل قدر شخصیت حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ، حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ایک خواب کا تذکرہ کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ خواب میں ایک شخص میرے سامنے آیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ میں نے اُس سے کہا اے بندۂ خدا! کیا تم یہ ناقوس بیچتے ہو۔ اُس نے کہا کہ تم اس ناقوس کا کیا کروگے تو میں نے جواب دیا کہ میں اسے بجا بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کروں گا۔ پھر اُس نے کہا میں تمہیں ’ایک ایسی

چیز نہ بتادوں جوتمہارے اس مقصد کے لئے ناقوس بجانے سے بھی کہیں زیادہ بہتر ہو۔‘‘ پھر اُس نے اذان کے یہ بول سکھائے اوراسی نے یہ بھی بتایا کہ جب نماز قائم کروتو اقامت اس طرح کہو:’’حی علی الفلاح‘‘ کے بعد’’قد قامت الصلوٰۃ‘‘ کہو اور پھر باقی الفاظ کہو۔حضور نبی کریم ﷺ نے سن کر اس خواب کوسچا خواب بتایا پھر حضرت عبداللہ بن زید انصاری ؓ کو حضرت بلال ؓ کے ساتھ کھڑے ہوکران کلمات کی تلقین کا حکم دیا۔اوراس طرح حضرت بلال ؓ نے اذان اورنماز کی تکبیر کہنی شروع کی۔

اذان کانہایت ہی خوبصورت،دلکش،دلربا اور حقیقی منظر تو تب دنیا کے سامنے آیا جب ۲۵/رمضان المبارک ۸ھ یعنی ۱۱/فروری ۶۳۰ء کو آقائے نامدار،سیدالابرار،سرورکونین،رحمۃ للعالمین،شفیع المذنبین،احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فاتحانہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یاد کیجئے آج سے ٹھیک آٹھ برس قبل اسی شہر مکہ سے رات کی تاریکی میں آپ ﷺ اپنے رفیق اور یارغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہجرت کر گئے تھے۔مگر آج مکہ میں کس شان کے ساتھ داخل ہورہے ہیں کہ دس ہزار جان نثار صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔اسی فاتحانہ شان سے آپ ﷺ صحن بیت اللہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ حضرت عثمان ؓ بن طلحہ کلید بردار کعبہ کوطلب کیا گیا۔آپ ﷺ نے اُن سے خانہ کعبہ کی چابی مانگی۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔حالانکہ یہی وہ حضرت عثمان ؓ ہیں کہ جب وہ ایمان نہیں لائے تھے تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو خانۂ کعبہ کی چابی دینے سے انکار کردیا تھا۔بہرحال حضور ﷺ نے اس موقع پر چابی اُنہیں واپس کردی اور فرمایا کہ اب چابی قیامت تک تمہارے خاندان میں رہے گی۔ چنانچہ خانہ کعبہ کی چابی ابھی بھی آپ ؓ کے خاندان میں ہی ہے۔نبی کریم ﷺ نے خانۂ کعبہ میں داخل ہوتے ہی سارے بت گرادئے۔خانۂ کعبہ کی تمام دیواروں سے ہر طرح کی تصویروں کو ہٹا کر اُسے پاک صاف کردیا۔آپ ﷺ نہایت فخریہ انداز سے آگے بڑھتے جاتے،بت گراتے جاتے اور کہتے جاتے:’’وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.‘‘ جب خانہ کعبہ کی تطہیر مکمل ہوگئی پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوحکم دیا کہ اب خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں۔ جیسے ہی حضرت بلال ؓ نے اذان دی تو تمام بندۂ مومن کا دل مسرت وانبساط سے بھر گیا مگر تمام مشرکین کا دل رنج والم سے لبریز ہوگیا۔

آپ ﷺ کی حیات مبارک میں دن بھر میں پانچ وقت اذان دینے کا جوسلسلہ جاری ہوا وہ قیامت تک جاری رہے گا اور قیامت تک اس اذان پر لبیک کہنے کا سلسلہ اگر جاری رہے گا تو یقین جانئے کہ ہر چہار جانب سے اس اذان پر کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں احتجاج کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر حضرت بلال ؓ نے جو’ماڈل‘ دیا اور جو دعوت عظیم دی اُسی کے پیش نظر آج بھی متقی و پرہیز گار موذن اپنی اپنی مسجدوں میں اذان کی شروعات’’اللہ اکبر‘‘ سے کرتے ہیں اور’’لاالہ الااللہ‘‘ پر ختم کرتے ہیں۔

موذن صرف اذان ہی نہیں دیتے اور توحید کے تصور کو صرف ایک مذہبی عقیدہ کے طور پر ہی نہیں پیش کرتے بلکہ

اذان کا فہم یہ ہے کہ وہ ہر اذان میں یہ بتاتے ہیں کہ اُس کا مطلب اجتماعی زندگی کا وہ پورا نظام ہے جو غیر اللہ کی حاکمیت اور اُلوہیت کو کسی بھی حال میں قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔آج بھی حضرت بلالؓ کے دکھائے ہوئے راستہ پر جب موذن ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' کی صدا بلند کرتا ہے تو وہ واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ کوئی ''الہ'' نہیں۔وہ نہ صرف اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتا ہے بلکہ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ پرانی عمارتیں ڈھادی گئی ہیں۔اب یہ نئی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ان حقائق کو تسلیم کرنے کے بعد اس حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ اب اللہ کے سوا میرا کوئی فرمانروا نہیں ہے۔مجھے کسی کی حکومت تسلیم نہیں ہے۔میں اب اللہ کے قانون کے علاوہ کسی قانون کو نہیں مانتا۔اللہ کی عدالت کے علاوہ اب کوئی حدود واختیارات ہم تک نہیں پہنچتے۔جب موذن ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کی سریلی آواز بلند کرتا ہے تو گویا وہ صرف یہ نہیں کہتا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کے بندے اور آخری رسول ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ اب صرف یہی اور صرف یہی ذات مصطفیٰؐ ہے جو ہمارے لئے ''اُسوۂ حسنہ'' ہے۔وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہی وہ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہیں جن کی نعت جملہ اہل الارض والسمٰوت نے سب سے بڑھ کر کی ہے۔(محمد کے معنی یہی ہیں)۔وہ یہ بھی بتاتا جاتا ہے کہ یہی وہ ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہیں جو ''احمد'' بھی ہیں جنہوں نے رب السمٰوت والارض کی حمد وثنا جملہ اہل الارض والسمٰوت سے بڑھ کر کی ہے۔(احمد کے معنی یہی ہیں)۔بے شک وشبہ یہ اعلیٰ خصوصیات ''خصائص النبیؐ'' ہیں جو صرف اسی برگزیدہ نام نامی کو حاصل ہے جس کی رفعتِ ذکر کا ذمہ خود رب العالمین نے لے لیا ہے۔(وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ)۔

اس طرح اب موذن نے صاف طور پر اعلان کر دیا ہے کہ ہمارے سامنے اس ہادیٔ برحق سے بڑھ کر نہ کوئی رہنما ہے اور قرآن و حدیث کو چھوڑ کر نہ کوئی دستاویز ہمارے لئے قابل ہدایت ہے۔اب یہیں سے جھگڑا کا آغاز ہوا۔سارا جھگڑا ہی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کو تسلیم کرنے پر شروع ہوا تھا اور آج بھی قائم ہے ورنہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم تو وحدانیت کی قائل ہے،حضرت موسیٰؑ کی قوم بھی وحدانیت کی قائل ہے اور مشرکین وقت بھی اللہ کی وحدانیت کے قائل ہیں مگر قائل ہوتے ہوئے بھی خود ساختہ خداؤں کی پوجا کیا کرتے ہیں اور شرک کا عقیدہ رکھتے ہیں۔اس کی روشن مثال ہمارے سامنے ''صلح حدیبیہ'' کے موقع پر آچکی ہے کہ صلح نامہ میں جب ''من محمد رسول اللہ'' لکھا گیا تو قریش کا نمائندہ اس پر معترض ہوتا ہے اور ادھر کاتب نبیؐ بھی اپنی ضد پر قائم ہے۔تکرار بڑھتی جاتی ہے،یہاں تک کہ صلح نامہ کا نا تمام ہونا جب یقینی سا لگنے لگتا ہے تب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھ دیا جائے۔''اس طرح تکرار ختم ہوتی ہے اور مناقشہ تمام ہوتا ہے۔چنانچہ اہل ایمان کا ذہن بالکل پاک وصاف ہے یعنی اُن کا عقیدہ ہے کہ نبی آخر الزماں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اب یہ سب کچھ روا نہیں ہے۔اسی طرح اب جبکہ موذن ''حی علی الصلوٰۃ'' کہتا ہے تو وہ صرف نماز کی طرف ہی نہیں بلاتا بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتا ہے کہ اب کوئی پوجا پڑھتی نہیں ہے،اب پرئیر کا

کوئی اور طریقہ بھی رائج نہیں ہے۔ اب عبادت کا صرف وہی طریقہ رائج ہے اور قیامت تک رائج رہے گا جو ہمارے رسول اکرم ﷺ نے ہمیں بتادیا ہے یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قیام اللیل، نالۂ نیم شب اور ذکر الٰہی۔ پھر موذن نے جو اس بار ”حی علی الفلاح“ کی صدا لگائی، تو اب سمجھ لیجئے کہ اُس نے باضابطہ جان بوجھ کر پورے ہوش وحواس میں یہ اعلان کر دیا کہ حقیقی فلاح اور خیر اب صرف اور صرف ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول“ میں ہے۔

چنانچہ فہم اذان کا ایک پہلو یہ بھی اُبھر کر سامنے آیا کہ کلمہ طیبہ اور کلمہ تشہد کا اقرار باللسان اور اقرار بالقلب کر لینے کے بعد جو لوگ بھی اسلام میں داخل ہوئے اُن کے نزدیک متذکرہ بالا دیگر اقوام سے وابستہ یہ سب کے سب لوگ، مسلمان اور اہل ایمان نہیں ہیں، کافر ہیں یعنی انکار کرنے والوں میں سے ہیں خواہ وہ قوم عیسیٰ ہو یا قوم موسیٰ! سب غیر مسلم ہیں۔ اسی بات پر تو احتجاج ہے۔ جھگڑا بھی بس اسی لئے تھا اور آج بھی قضیہ کا یہی سبب ہے۔ اسلامی معاشرہ اس حقیقت کو ببانگ دہل تسلیم کرتا ہے کہ اذان ہی دعوت توحید ہے اور یہی پیغام رسالت بھی ہے۔ یہی آواز، پوری دنیا میں حق وصداقت کی نہایت مستحکم آواز ہے۔ یہی وہ آواز ہے جس میں آج تک کبھی کوئی بیجا ملاوٹ نہیں دیکھی گئی۔ موذن نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ کل بھی اذان دیتا تھا اور آج بھی دیتا ہے اور آئندہ بھی دیتا رہے گا۔ اذان ہی سے وابستہ نماز ہے جو جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ ہمارے اسلامی معاشرہ میں بچہ کے جنم لیتے ہی اُس کے کانوں میں اذان دی جاتی ہے۔ اذان دینے کا نصب العین دراصل اُس نوزائیدہ کے کانوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ ابھی سماعت معصوم ہے۔ ابھی دل گناہوں سے پاک ہے۔ دعا کی جاتی ہے کہ روئے زمین پر اذان دینے کا نصب العین ہی اس بچہ کی زندگی کا نصب العین بن جائے۔

حضرت بلالؓ کی وہ اذان تاریخی اذان تھی جو پہلی مرتبہ مقدس خانۂ کعبہ کی چھت سے دی جارہی تھی۔ اذان کا بہتر فہم رکھنے والے یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ اذان، صرف پہلی اذان ہی نہیں تھی بلکہ دنیائے اہل حق کے لئے پہلی دعوت عظیم بھی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر اگر حضرت بلالؓ، حضرت اُسامہ بن زیدؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام موجود تھے تو وہیں، مشرکین کے کچھ سردار بھی وہاں موجود تھے جنہوں نے پاسبان رسولؐ اور موذن رسولؐ کی اس شان بلالیؓ کو دیکھتے ہوئے حارث بن ہشام کی طرف دیکھ کر کہا: ”تم دیکھتے ہو کہ یہ غلام کہاں کھڑا ہے۔“ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارک تک حضرت بلالؓ اذان دیتے رہے۔ مگر حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد وہ اس قدر غم پر ملال میں ڈوبے کہ اپنے محبوبؐ کی جدائی کے بعد پھر کبھی اذان نہیں دی۔ فرماتے تھے کہ اب اس دلفگار میں اتنی قوت باقی نہیں کہ میں ” اشھد ان محمدا رسول اللہ “ پر پہنچوں اور اپنے محبوب، آقائے نامدار، سرورِ کونین، احمد مجتبیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا دیدار نہ کرسکوں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی جگہ کو خالی دیکھنا حضرت بلالؓ کے دل کو نہایت گراں گزرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دینا شروع کیا۔ رسول اکرم ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد حضور اکرم ﷺ کے نواسوں: حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی

آرزو پر مسجد نبویؐ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔تاریخ شاہد ہے کہ حضرت بلالؓ کے اذان دیتے ہی روتے روتے اہل مدینہ کی ہچکیاں بندھ گئیں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدینہ شریف میں یہ آخری اذان تھی۔اس کے بعد آپؓ نے لوگوں کے بار بار تقاضوں کے باوجود کبھی بھی یہاں اذان نہیں دیا۔عشق رسول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ آپؓ نے مدینہ ہی چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا اور دمشق آگئے کیونکہ مدینہ کی ہر گلی اور ہر دیوار کو دیکھ کر اُنہیں اپنے محبوب ﷺ کی یاد آتی تھی۔جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دمشق پہنچے تو لشکر اسلام کی شدید خواہش کا احترام کرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان دی۔اس موقع پر بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ پر جس طرح رقت طاری ہوئی، اُسے مورخین نے تاریخ اسلام میں ایک نہایت دلسوز واقعہ کے طور پر سپرد قلم کیا ہے۔دمشق میں حضرت بلالؓ کی یہ اذان اُن کی زندگی کی آخری اذان تھی۔حضرت بلال کے بارے میں مشہور ہے کہ آپؓ نے کبھی عید پر کپڑے نہیں سلوائے مگر جب وقت وصال آیا تو کپڑے سلوائے، سرمہ لگایا، بال بنائے۔کسی نے وجہ پوچھی تو کہا ”سرکار دوعالم ﷺ سے ملاقات کا وقت جو آگیا ہے“

مزاج عشق کو فرہاد و قیس کیا جانیں
دل بلالؓ سے پوچھو کہ عاشقی کیا ہے

مورخین نے حضرت بلالؓ کی اعلیٰ سیرت اور قدر و منزلت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپؓ راتوں کو جاگ جاگ کر کثرت سے رکوع وسجود کرنے والے بھی تھے۔اگر حضور نبی کریم ﷺ نے کوئی کام دے دیا تو پھر اس کام کی تکمیل کے لئے جان لڑادیتے تھے۔آپؓ جو رسول اکرم ﷺ کی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف بھی برداشت نہ کرسکتے تھے، ہمہ وقت اور ہمہ تن خدمت بجالانے کے لئے تیار رہتے تھے۔آپؓ آخرت کی فکر سے بہت متفکر رہتے تھے۔مورخین نے تاریخ اسلام میں محبان رسولؐ اور عاشقان رسولؐ کی تفصیل کے ساتھ جو طویل فہرست مرتب کی ہے اُس میں شامل حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام، صف اول کے صحابہ کرامؓ کے درمیان امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔حضرت بلالؓ کی آواز نہایت بلند و بالا آواز تھی، لہجہ بالکل صاف تھا اور لحن عربی زبان کا فطری لحن تھا۔وہ نہایت بلند آواز اور مترنم انداز میں اذان پکارتے تھے تاکہ دور تلک اذان کی آواز جاسکے اور زیادہ سے زیادہ لوگ مسجد میں نماز کے لئے جمع ہوسکیں۔چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کی مقدس سیرت کے پیش نظر اُن کا انتخاب جب اس اہم کار خیر یعنی اذان پکارنے کے لئے کیا تو گویا آپ ﷺ نے اُسی وقت یہ بھی طے کردیا کہ شریعت مطہرہ میں موذن کے انتخاب کے لئے اُس بندۂ مومن میں کس طرح کی اہلیت اور لیاقت کا پایا جانا ضروری ہے۔مورخ لکھتا ہے کہ آپؓ کا رنگ کالا تھا اور ہونٹ موٹے تھے مگر عظمت اتنی تھی کہ مدینہ کی گلیوں میں چلتے تو قدموں کی آہٹ جنت میں سنائی دیتی۔وفات کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر ۷۰ ربرس کے قریب تھی۔ ۲۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ دمشق میں اُن کا مزار آج بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

اقبال! کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

اللہ رب العزت نے جب رسول پاک ﷺ کو اسلام کی دعوت پر مامور کیا اور جب آپ ﷺ نے آواز بلند کی۔ توحید کا پرچم بلند کرنے کی کوشش کی اور اپنی رسالت ونبوت کا اعلان کیا۔ پھر تو اس آواز کو دبانے کے لئے ایسا کون سا جتن ہے جو مشرکین وکفار اور مخالفین کی جانب سے نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ کے دور میں جتن اس لئے کیا جارہا تھا کہ بت پرستوں کو اپنے بت کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہوگیا اور اجداد پرستوں کو اپنے باپ دادا کے قدیم موروثی طریقہ اور پوجا پدھتی کے سماپت ہوجانے کا ڈرستا رہا تھا۔ اس لئے صورت حال یہ ہوگئی تھی کہ ''الکفر ملة واحدہ'' وہ تمام لوگ جو آپس ہی میں کبھی لڑائی جھگڑا کیا کرتے تھے، وہ سب کے سب اس عظیم دعوت کے اعلان کی مخالفت میں متحد ہوگئے۔ آج بھی کم وبیش یہی صورت حال ہے کیونکہ موذن کی اذان وہ پکار ہے جس کی ضرب سے کہیں لرزہ طاری ہوجاتا ہے تو کسی کے پاؤں تلے زمین کھسکنے لگتی ہے۔ لہٰذا اس ضرب سے بچنے کے لئے ہر ممکنہ تگ ودو کا ہر چہار جانب سے جاری رہنا تو ایک فطری عمل ہے۔ طرح طرح کے حملے ہوتے ہیں اور ہوتے بھی رہیں گے۔ یہاں تک کہ ماحول کو کبھی متعصب تو کبھی نہایت ہی پر تشدد بنانے کی کوششیں بھی کی جاتی ہیں۔ مگر اللہ اور اُس کا رسول ؐحق کے ساتھ ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ؐ کا ساتھ تو اُس ''مالک یوم الدین'' کے فرمابردار بندوں کے لئے ہے۔ چنانچہ اسلام کا کارواں اپنی فطری نشیب وفراز کے ساتھ نہ کبھی رکا ہے نہ کبھی رکے گا۔ اذان پر اور اذان کے بہانہ اسلام پر خلفشار روز اول سے اُٹھتا رہا ہے، آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اُمت مسلمہ کو گھبرانے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے لوگ نسل آدم کا بہترین جوہر ہوا کرتے ہیں۔ ہاں! مگر اہل ایمان کو اپنے اللہ اور اپنے رسول ؐ پر اعتماد رکھتے ہوئے ہر موقع پر موقع کی نزاکت کے مطابق نہایت عقلمندی کے ساتھ موثر طور پر حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مشرکین اور دیگر غیر مسلم قوموں کو خوب معلوم ہے کہ اذان کا کرشمہ اور موذن کے آواز کی تاثیر نہ کبھی کم ہوئی ہے اور نہ کبھی کم ہوگی۔ یہاں لازماً یہ تذکرہ ضروری ہے کہ لاوڈ اسپیکر کے ہونے یا نہ ہونے سے اذان کی تاثیر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مجھے اپنی سرکاری ملازمت کے دوران دور دراز میں واقع ایسے دیہی علاقوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے جہاں لاوڈ اسپیکر پہنچے ہی نہیں ہیں۔ مگر الحمدللہ اس دور جدید میں بھی وہاں اذان اپنے شرعی تزک واحتشام کے ساتھ نہایت باوقار طریقہ سے پکاری جارہی ہے اور دور دراز کے دیہی علاقوں سے دنیا کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نہ صرف کہ اہل ایمان کی موجودگی کا احساس کرارہی ہے بلکہ حضرت محمد ﷺ کی رہنمائی میں دعوت عظیم دینے کے اپنے فرائض کو بخوبی انجام بھی دے رہی ہے۔ الحمدللہ!

چھٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم ہے
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد ﷺ

اذان نظام مصطفیٰ ﷺ میں عبادت کا پیش خیمہ ہے۔اذان کی حیثیت اسلام میں جزو لاینفک کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اذان کتاب شریعت وطریقت کا معتبر اور مستند پیش لفظ ہے جسے موذن ہر روز، دن میں پانچ بار دہراتا ہے اور قیامت تک دنیا کی تمام مساجد سے دہرایا جاتا رہے گا۔حضور نبی کریم ﷺ نے اذان کے تقدس اور موذن کے تقویٰ ومجاہدہ کے پیش نظر موذن کے مقام کو بڑا اعلیٰ وارفع درجہ عطا کیا ہے۔مسلمانوں کو بالعموم اور موذنین مساجد کو بالخصوص اس بات کی قطعاً پروا نہیں کہ اس اذان سے کسی کو ضرب پہنچتی ہے یا کسی کو اُس کے کام میں مداخلت ہوتی ہے یا کسی کا عقیدہ بھرشٹ ہوجاتا ہے۔آج ۱۴۰۰ برس سے زیادہ کا عرصہ گزرگیا،حضور اکرم ﷺ کے حکم اور اُن کی ہدایت پر طلوع اسلام سے اذان دینے کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج بھی جاری وساری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔ چنانچہ جغرافیائی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بنائی اس دنیا کے طول وعرض میں موجود سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں مساجد سے سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں موذنین روزانہ پانچ بار اذان دیتے ہیں اور اسی مقدس اذان کے بعد مسلمانان عالم اپنے رسول اقدس ﷺ پر درود بھیجتے ہوئے ''دعائے وسیلہ'' پڑھتے ہیں، پھر اپنی نماز قائم کرتے ہیں اور اپنے ایک اللہ کی عبادت کے لئے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں۔

جدید سائنس اور ٹکنالاجی کی وجہ سے افکار عصر کی حقیقتوں کے پیش نظر ہر روز نئی نئی جہتوں کا آغاز ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ سائنس اور ٹکنالاجی کے اس دور جدید میں اذان کے بارے میں بھی ایک نہایت ایمان افروز انکشاف سامنے آیا ہے۔ اس انکشاف سے اندازہ ہوتا ہے کہ اذان یقیناً ایک نہایت ہی خوبصورت معجزہ ہے جو اُمت محمدیہ کو عطا کیا گیا ہے۔(یہ انکشاف اخبار ورسائل میں شائع ہوچکا ہے اور اب تو یہ گوگل پر بھی موجود ہے،جس کا عنوان ہے: اذان اے میراکل۔) جدید سائنس نے انکشاف کیا ہے کہ دنیا میں صرف اور صرف اذان ہی ایک ایسی ''صدائے مقدس'' ہے جو چوبیس گھنٹہ بلند ہو رہی ہے یعنی ہر لمحہ بلند ہو رہی ہے۔

اللہ نے جو نظام شمسی متعین فرمایا ہے، اُس نظام کے مطابق زمین کی گردش کے تحت آفتاب مشرق میں طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوجاتا ہے۔ چنانچہ طلوع آفتاب کے پیش نظر طلوع اسلام سے ہی زمین کے مشرق کی جانب واقع انڈونیشیا میں اس کے مشرقی شہروں سے اذانِ فجر کا آغاز ہوتا ہے اور ایک ترتیب کے ساتھ انڈونیشیا میں مشرق سے مغرب تک بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں یہ سلسلہ ختم بھی نہیں ہوپاتا کہ اذانوں کا یہ سلسلہ ملیشیا میں شروع ہوجاتا ہے۔ملیشیا اور اُس کے اردگرد فجر کی اذان کے اختتام سے قبل ہی اسی لائن میں اگلا ملک برما اور اُس کے مغرب میں واقع ملک بنگلہ دیش کے ڈھاکہ میں فجر کی اذان کا آغاز ہوجاتا ہے۔ بنگلہ دیش کے مغربی علاقوں میں فجر کی اذان کا وقت ابھی ختم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے ملک ہندوستان کی مسجدوں سے بے شمار موذن فجر کی اذان پکارنے لگتے ہیں۔ ہمارے ملک میں فجر کی اذان دینے کا سلسلہ کولکتا سے شروع ہوتا ہے اور مغرب میں ممبئی تک جا پہنچتا ہے اور یوں پورے ملک ہندوستان میں صدائے اللہ اکبر گونجنے لگتی ہے۔

اب یہاں یہی وہ وقت ہے جب کشمیر کے شہر سری نگر میں اور پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں ایک ہی وقت میں فجر کی اذان کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے اور تقریباً ۴۰ منٹ میں پورے پاکستان میں اذان کی آوازیں سنائی دیتی ہیں ۔اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ فجر کی اذان کا یہ سلسلہ جہاں سے شروع ہوتا ہے وہاں یہ سلسلہ ختم بھی نہیں ہوتا کہ بالترتیب دوسرے مقامات پر یہ سلسلہ بالترتیب شروع ہو کر پھیلتا جاتا ہے ۔فجر کی اذان دینے کا یہ سفر پاکستان کے شمالی حصہ سے جنوبی حصہ یعنی کراچی تک پہنچ کر ختم ہونے کے قریب ہوتا ہی ہے کہ افغانستان ،مسقط اور عمان کی مسجدوں سے ''اللہ اکبر'' کی صدائیں گونجنے لگتی ہیں ۔مسقط اور بغداد میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے ۔اس ایک گھنٹہ میں یہاں فجر کے وقت کے اختتام سے قبل ہی عراق اور حجاز مقدس وغیرہ کے علاقوں میں اذانیں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر یہ سلسلہ مکہ، مدینہ، یمن، متحدہ عرب امارات اور کویت وغیرہ ممالک تک مسلسل جاری رہتا ہے ۔اسی دوران فجر کی اذان کا سلسلہ بالترتیب ترکستان سے شروع ہو کر روس کی جانب بڑھتا ہے ۔پھر یہاں پہنچ کر تمام یورپی ممالک میں یکے بعد دیگرے ''اللہ اکبر'' کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں ۔دریں اثنا مصر میں فجر کی اذان کا وقت ہو جاتا ہے ۔مصر کے شہر اسکندریہ اور لیبیا کے شہر طرابلس میں فجر کے اوقات میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے ۔چنانچہ اسی دوران پورے افریقہ میں صدائے اللہ اکبر گونجنے لگتی ہے ۔اور اب اذانوں کا یہ سلسلہ بحر اوقیانوس یعنی اٹلانٹک اوشن کے مشرقی کناروں تک جا پہنچتا ہے ۔اس طرح انتہائی مشرق میں واقع انڈونیشیا سے بحر اوقیانوس کے مشرقی کنارے تک فجر کی اذان کا یہ سلسلہ ساڑھے نو گھنٹہ میں پہنچ کر تمام ہو جاتا ہے ۔

اب ٹھیک اُسی وقت انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور فجر کی اذان کی طرح ہی اذانوں کا یہ سلسلہ دوبارہ اُسی ترتیب سے شروع ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ مشرق سے مغرب کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے ۔اس سے پہلے کہ ظہر کی اذانوں کا سلسلہ ڈھاکہ تک پہنچے ،انڈونیشیا میں اذان عصر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۔اذان عصر بمشکل ابھی جکارتا تک پہنچتی ہی ہے کہ مغرب کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں ۔

چونکہ ظہر سے عصر اور عصر سے مغرب کی اذانوں کے اوقات کے فاصلے کم ہوا کرتے ہیں لہٰذا اذان کے پکارے جانے کا یہ سلسلہ ابھی اپنے کم وقتوں میں مکمل بھی نہیں ہو پاتے ہیں اور اسی ترتیب سے آگے بڑھتے جاتے ہیں: یعنی ابھی تو انڈونیشیا میں مغرب کی اذانوں کا سلسلہ ختم بھی نہیں ہو پایا کہ وہاں عشاء کی اذانوں کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے ۔اور اسی ترتیب سے یہ سلسلہ مغربی افریقہ تک پہنچتا ہے اور مغربی افریقہ میں عشاء کی اذانیں شروع ہو جاتی ہیں ۔مغربی افریقہ اور ارد گرد کے علاقوں میں عشاء کی اذانوں کا اختتام بھی نہیں ہو پاتا اور افریقی موذن عشاء کی اذانیں دے رہے ہوتے ہیں کہ پھر سے انڈونیشیا کے مشرقی علاقوں سے فجر کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ ظہر ،عصر ،مغرب اور عشاء کی اذانیں ہو جاتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں ۔اس طرح یہ سائیکل (گردش) فطری طور پر طلوع اسلام سے شروع ہو کر قیامت تک کے لئے جاری کر دیا گیا ہے ۔

سماعت ابدی کے لئے بصیرتِ باطنی دیکھئے! اذان ایک ایسا خوبصورت معجزہ بن کر ہمارے سامنے رونما ہوئی ہے کہ اس روئے زمین پر ہر لمحہ ''اللہ اکبر'' کی صدائیں گونج رہی ہیں۔مشرق سے مغرب تک پھیلتا ہوا اذانوں کا سلسلہ ایک سائیکل کی طرح مسلسل جاری ہے۔ ہر وقت صدائے اللہ اکبر لگائی جارہی ہے یعنی چوبیس گھنٹہ میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب دنیا کے کسی نہ کسی گوشہ سے ہزاروں موذن اپنی اپنی مساجد سے اذان نہ دے رہے ہوتے ہیں۔

اسلام کے عقاید ہمیشہ دلائل کی بنیاد ہی پر ہوتے ہیں۔مزید برآں آج کا زمانہ بھی عقلی دلیل کا زمانہ ہے۔اہل عقل و فہم کے لئے سائنس کے اس انکشاف سے زیادہ بھی کیا کوئی عقلی دلیل ہوسکتی ہے جو بصیرت و بصارت اور عقل و دانش کے معیار پر پوری طرح کھری اُترتی ہو! چنانچہ اہل ایمان اور اہل بصیرت اب اہل استقامت بھی نظر آتے ہیں جو اپنے اللہ وحدہ لاشریک کی کبریائی، اُس کی تخلیق اور اُس کی نشانیوں کے قائل ہیں، اپنے رسول اقدس ﷺ کی سیرت اور اُن کے معجزات سے بہت اچھی طرح واقف ہیں اور وہ اب تو قرآن کی اس معجزاتی حقیقت سے بھی واقف ہو گئے ہیں۔عصر حاضر میں جدید سائنس اور ٹکنالاجی نے اذان کے بارے میں دنیا کے سامنے جو نادر و نایاب انکشاف کیا ہے،اس سے عالم انسانیت متحیر و متعجب ہے۔سبحان اللہ!اس معجزاتی حقیقت کی وجہ سے دنیا بہت اچھی طرح دیکھ رہی ہے کہ اس روئے زمین پر ہر لمحہ کہیں نہ کہیں اذانیں ہو رہی ہیں اور ہر لمحہ روئے زمین پر توحید و رسالت کی گواہیاں دی جارہی ہیں۔ چنانچہ اذان جو عظمت اسلام کا نشان ہے، ایک عظیم دعوت بھی ہے۔اسلام کی شان بھی ہے،ہمارا سرمایہ ایمان بھی اور یقیناً ایک نہایت ہی خوبصورت معجزہ بھی ہے۔

شریعت و طریقت کی روشنی میں مسلمان اپنے قریب کی مسجد کے موذن کی اذان سنتے ہی اذان کے بول کو دہراتے ہیں۔اور اذان کے ختم ہو جانے پر پیارے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہوئے دعائے وسیلہ پڑھتے ہیں۔اس دعائے وسیلہ کا ترجمہ یہ ہے:

''یا اللہ! اِس کامل اعلان اور قائم ہونے والی نماز کے مالک! حضرت محمد ﷺ کو مقام وسیلہ عطا فرما اور اُن کی فضیلت میں اضافہ فرما اور بلند درجہ عطا فرما۔اور اُن کو مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔اور ہمیں قیامت کے دن اُن کی شفاعت عطا فرما بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں فرماتا''۔

اس ضمن میں مستند روایت موجود ہے کہ اذان کے بول دہرائے جائیں اور اختتام پر رسول اکرم ﷺ پر درود کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے ''دعائے وسیلہ'' پڑھی جائے تو روز قیامت آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے گی۔اللہ کے اِذن سے رسول اللہ ؐ کی شفاعت کا مستحکم عقیدہ رکھنے والوں کے لئے یہ عمل کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔لہٰذا اذان کے ساتھ ہی اس عمل کا یہ سلسلہ بھی جاری ہو جاتا ہے۔اور پھر موذن حضرات کی اذانوں کے ساتھ ساتھ نماز کے قائم ہونے کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔

نماز میں بندۂ مومن اپنے خالق و مالک، ذوالجلال والاکرام، وحدہ لاشریک، اللہ رب العزت کی عبادت کے لئے

یعنی اس کی کبریائی بیان کرنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہے، پھر قرآن کی ۱۱۴ رسورتوں میں سے کوئی سورۃ یا کسی سورۃ کی چند آیات کریمہ کی تلاوت کر رہا ہے۔ وہ نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اپنی جبین نیاز جھکائے، سرِ تسلیم خم کئے سجدہ ریز ہو کر، اللہ کے حضور ''سبحان ربی العظیم'' اور ''سبحان ربی الاعلی'' کا ورد کر رہا ہے اور اپنے رب کی عظمت اور بڑائی بیان کر رہا ہے۔ اس طرح اس کرۂ ارض پر جہاں جہاں اذانیں ختم ہو رہی ہیں وہاں وہاں نمازیں قائم کی جا رہی ہیں۔ سلسلہ اذان کے ختم ہوتے ہی ٹھیک اُسی ترتیب کے ساتھ انڈونیشیا سے ہی نماز کے قیام کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے اور پھر یہ سلسلہ اسی ترتیب میں بڑھتے ہوئے افریقی مما لک تک جا پہنچتا ہے اور اسی طرح رات دن یہ گردش جاری رہتی ہے۔ چنانچہ سائنس کے اس انکشاف کے مطابق پوری دنیا میں کہیں نہ کہیں جب ہر لمحہ اذان کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں تو ہر لمحہ ''درود'' بھی پڑھا جا رہا ہے، ہر لمحہ ''دعائے وسیلہ'' بھی پڑھی جا رہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہر لمحہ ''نماز'' بھی ادا کی جا رہی ہے۔ غرض اس روئے زمین پر قوانین الٰہی کے پیش نظر رائج نظام مصطفیٰ ﷺ کے مطابق ہر لمحہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہو رہی ہے اور اُس کی کبریائی بیان کی جا رہی ہے۔ اسلامی عقیدہ کے مطابق اگر آسمان پر فرشتے ہر لمحہ اللہ رب العزت کی عبادت وریاضت میں دن رات مصروف ہیں تو اس سائنسی انکشاف کے مطابق روئے زمین پر اہل ایمان بھی ہر لمحہ کہیں نہ کہیں اللہ کے حضور اپنا سر اس کی کبریائی کے سامنے جھکائے ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔

عصر جدید میں زمین اور زمین پر بسنے والوں کے حقائق کافی بدل چکے ہیں اور ہر دن کچھ نہ کچھ بدلتے ہی رہتے ہیں مگر خدارا! نظر اُٹھا کر دیکھئے تو پتہ چلے گا کہ روئے زمین پر قائم ہونے والی اذان کے حقائق آج بھی اُسی طرح برقرار ہیں جس طرح آج سے چودہ سو برس قبل جب اسے قائم کیا گیا تھا۔ مزید برآں سائنس کی وجہ سے اب تو یہ شان امتیازی نکھر کر سامنے آئی ہے کہ یہ اعزاز صرف اور صرف اُمت محمدیہ ہی کو حاصل ہے کہ اُسے اپنے رسول اقدس، امام الانبیاء اور پیغمبر آخر الزماں، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقے صدائے اذان پر مشتمل ایک معجزہ کی شکل میں اللہ کی عبادت کا ایک ایسا منظم نظام اس اُمت کو نصیب ہوا جو آج تک کسی قوم وملت کا مقدر نہ بن سکا۔ آج دنیا نے تسلیم کیا ہے کہ اس ماڈرن زمانہ میں بھی اسلام ہی روئے زمین پر وہ واحد مذہب ہے جس کا کلمہ: کلمۂ طیبہ، کلمۂ تشہد اور کلمۂ حق کی صدا اور اللہ کی کبریائی اور وردِ الٰہی اس اذان کی بدولت چوبیس گھنٹہ یعنی ہر لمحہ فضا میں مسلسل گونج رہی ہے۔ قربان جائیے کہ اسلام میں اذان کی کیا معجزاتی حقیقت ہمارے سامنے رونما ہوئی ہے۔ بے شک! پوری دنیا کا مسلمان اپنے مذہب اسلام پر فخر کرنے کا اہل ہے۔ مشمولات بالا نے ثابت کر دیا کہ یہ موذن کی اذان ہی ہے جو دنیا میں مسلسل ہر لمحہ صدائے حق بلند کر رہی ہے اور پوری دنیا کو مسلسل چوبیس گھنٹہ دعوت عظیم دے رہی ہے۔ موذن کو سلام! موذن کے مجاہدہ کو سلام! چنانچہ آج پیغمبر اسلام، نبی آخر الزماں، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو اذان کے کونوٹیشن کو اور اُس کی روح کو بہت اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کاش! کہ ہم اسے اچھی طرح سمجھ لیتے۔ کاش!

ہم یہ سمجھ لیتے تو ایک طرف تبلیغ دین کا کام آسان ہو جاتا اور دوسری جانب ’’توحید‘‘ کا اصل مفہوم سمجھ میں آجاتا ’’پیغام رسالت مآب ﷺ‘‘ ذہن میں بس جاتا اور ساتھ ساتھ قرآن مجید کی آیت کریمہ ’’ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ‘‘ کا مفہوم ہمارے قلب و جگر میں سما جاتا پھر ہمیں ’’عظمت مصطفیٰ ﷺ‘‘ سمجھ میں آجاتی، ’’عقیدۂ ختم نبوت ﷺ‘‘ اور ’’عشق رسول ﷺ‘‘ بھی بہتر طریقہ سے سمجھ میں آجاتا۔ کاش! ہم سمجھ لیتے کہ ’’فہم اذان ہمارا سرمایۂ ایمان ہے، تو پھر! ہم یہ بھی سمجھ جاتے کہ:

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری ❁ کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی ❁ نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

شرح اشتہار

سہ ماہی مجلہ المجیب

دنیائے صحافت کا مقبول عام سہ ماہی مجلہ ’’المجیب‘‘ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ کا ترجمان—ایک دینی، علمی و ادبی مجلہ ہے جو کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس رسالہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ علماء، ادباء، معلمین و متعلمین، افسران و عہدہ داران بلکہ ہر خاص و عام کے ذوق مطالعہ میں رہتا ہے—اور ہر طبقہ و جماعت کے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

لہٰذا باذوق تاجرین اور تنظیم و تحریک کے مالکان سے پر خلوص گذارش ہے کہ اس مقبول ترین رسالہ میں اپنا اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں—اور اپنے نام و پتہ کے ساتھ پیشگی رقم ارسال فرمائیں۔ اشتہارات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ملٹی کلر اشتہار

پشت سرورق	مکمل صفحہ	5,000/-	نصف صفحہ	2,500/-	چوتھائی صفحہ	1,250/-
اندرون سرورق	مکمل صفحہ	4,000/-	نصف صفحہ	2,000/-	چوتھائی صفحہ	1,000/-

سادہ اشتہار

اندرون مجلہ	مکمل صفحہ	3,000/-	نصف صفحہ	1,500/-	چوتھائی صفحہ	750/-

خواہش مند حضرات اپنے اشتہارات کے ساتھ پیشگی رقم کا چیک یا ڈرافٹ ادارہ کو پہلی فرصت میں مرحمت فرمائیں تاکہ ان کے آرڈر کو حتمی شکل دی جاسکے۔ چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ رقم ارسال کرتے وقت صرف "DARUL ESHA'AT" تحریر کریں۔

معرفت السلوک تعلیمات صوفیا کا ایک اہم ماخذ

● امیر عبّاس خان عامر رنوی ـــــ ریسرچ اسکالر شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی، دہلی

سرزمین بیجاپور سے ایسے ایسے صوفیائے کرام اٹھے کہ جو اپنے علم وفضل اور کرامت کی وجہ سے پوری دنیا میں جانے جاتے ہیں۔ انہیں اولیائے خدا کے خانوادوں میں شیخ محمود عین الحق ملقب بہ خوش دہان کا خانوادہ ہے۔ جس نے روحانی کمالات اور مذہبی خدمات کے ذریعہ اہل دکن کے دلوں پر حکومت کی ہے۔

خوش دہان لقب کے بارے میں روضۃ الاولیاء کا بیان ہے:

’’سبب اشتہار آنحضرت بہ خوش دہان می گویند کہ قدرے دھان آنحضرت کج بودہ است، مردم کج دہان می گفتند۔ فقرای ایشان تبدیل کردہ بہ خوش دہان شہرت دادہ اند‘‘

شیخ محمود خوش دہان سولہویں صدی میں بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ داؤد قریشی تھا۔ اور آپ کے نانا بدر الدین بدر عالم سید شاہ حبیب اللہ قادری بیدری تھے جن کے سایہ عاطفت میں آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت ہوئی۔ آپ قادریہ سلسلے میں اپنے نانا سے مرید تھے اور اپنے ماموں شاہ ابوالحسن قادری سے اجازت وخلافت پائی۔ زندگی کا ابتدائی وقت (محمد آباد) بیدر میں بسر ہوا بعد میں بیجاپور چلے آئے اور اپنے بہنوئی شاہ برہان الدین جانم سے بھی خانوادہ چشت میں بیعت وخلافت حاصل کی اور بیجاپور کے قصبہ شاہ پور میں قیام پذیر ہوگئے۔ آپ کا سلسلہ بیعت وخلافت پانچ واسطوں سے مخدوم سید محمد حسینی گیسودرازؒ تک پہنچتا ہے۔ روضۃ الاولیاء، مشکاۃ النبوۃ، تذکرہ قادری، حدیقہ رحمانی، سیر محمدی اور معرفت السلوک جیسی کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ دونوں سلسلے چشتیہ وقادریہ میں بیعت لینے کے مجاز تھے اور آپ کی ذات سے دونوں سلسلے کی اشاعت ہوئی۔

صاحب روضۃ الاولیاء نے خوش دہان کو بزرگان کامل، عارف اور اہل دل لکھا ہے۔ مؤلف تذکرہ اولیائے دکن نے خوش دہان کو نیک سیرت ونیک طینت کہا ہے۔ خوش دہان صاحب کشف وکرامت صوفی تھے۔ آپ کی توجہ اور صحبت کی برکت سے اکثر گمراہ راہ راست پر آئے اور متدین ہوئے۔ محمود خوش دہان کو یہ شرف حاصل تھا کہ امین الدین علی اعلیٰ کے استاد اور مرشد بھی تھے۔

شاہ امین الدین علی اعلی نے ان کے متعلق کہا ہے: کہ جب وہ بات کرتے تھے تو ان کے منہ سے خوشبو آتی تھی یہ خدا کی دین ہے۔ محمود خوش دہان کے صرف ایک صاحبزادہ تھے جن کا نام شیخ مصطفی تھا۔ جو خود بھی صاحب تصرف بزرگ اور شاعر تھے۔

آپ کے خلفا کی تعداد طویل ہے۔ جیسے امین الدین علی اعلی، شیخ حسن گوشہ نشین، شیخ صدرالدین، سید سفیر اللہ سیف اللہ، متین خان، سید صدرالدین بخاری، سید محمد، شیخ نورالدین، شیخ احمد برقع پوش، عبداللہ برہان، میرا نجی خدا نما، سید ہاشم خداوند ہادی، سید میران حسینی، شیخ مصطفی ابن خوش دہان وغیرہ۔

خوش دہان کی تاریخ وفات کے متعلق اختلاف ہے جیسا کہ صاحب تذکرہ اولیائے دکن و مؤلف اردوئے قدیم، حکیم شمس اللہ قادری نے آپ کی رحلت ۹۶۵ھ بتایا۔ لیکن ڈاکٹر حسینی شاہد نے اپنی کتاب ''سید شاہ امین الدین علی اعلی حیات اور کارنامے'' میں لکھا ہے کہ یہ سن وفات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ شاہ برہان الدین جانم کی وفات ۹۹۰ھ میں ہوئی اس وقت خوش دہان زندہ تھے اور شاہ امین الدین علی اعلی ابن برہان الدین جانم کی تربیت انہیں کی نگرانی میں ہوئی۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے ان کی تاریخ وفات کے سلسلے سے دو تاریخی مادے بتائے۔

۱ : ''کلید طریقت بلطف معبود''

۲ : ''محمود خوشدہان''

اس اعتبار سے محمود خوش دہان کی سن وفات ۱۰۲۶ھ اور ۱۰۶۴ھ برآمد ہوتی ہے۔ آپ کا مزار بیجاپور کے حصار کے باہر دروازہ شاہ پور سے متصل روضہ امین الدین علی اعلیٰ کے صحن میں ہے۔

محمود خوش دہان صرف صوفی ہی نہیں بلکہ عالم اور شاعر بھی تھے اور محمود تخلص کرتے تھے۔ آپ نے فارسی و دکنی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا اور تقریبا بارہ آثار دونوں زبان میں بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ جیسے خلاصۃ الارشاد، اسرار الحق، صلاۃ العاشقین، رویت الحق، کشف المقامات، مفتاح النور، اشارۃ المعانی، مثنوی علم الحیات، وجود نامہ، تنبیہ الخلائق، رسالہ واجب الوجود، رسالہ محمود خوش دہان وغیرہ۔ یہ تمام آثار ہندستان کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں۔ جیسے ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، کتب خانہ او۔ ایم۔ ایل حیدرآباد، ایوان اردو کراچی، پاکستان، ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری نئی دہلی، انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی۔

سولہویں صدی وہ عہد تھا جب عادل شاہی حکومت بیجاپور دکن کی سرزمین پر حکمراں تھی۔ اس زمانے میں ادباء، شعراء اور مشائخ نے اپنے علم فن کے جوہر دکھائے۔ تذکرہ، تصوف، تاریخ، نظم ونثر پر بیشتر نایاب کتابیں لکھی گئیں۔ جیسے تذکرۃ الملوک، تاریخ فرشتہ، تاریخ بیجاپور، فتوحات عادل شاہی، کلیات شاہی، سہ نثر ظہوری وغیرہ۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی ''جگت گرو'' کے دور میں جب صوفیائے کرام شہر بیجاپور میں سکونت پذیر ہونے لگے جن میں اکثر صوفیوں کے آثار فارسی میں ملتے ہیں۔ جیسے گنج اسرار مصنف شاہ نعیم اللہ، گلزار ابرار فی سیر الاخیار مصنف شیخ محمد غوری،

نفائس الانفاس مصنف محمد قاسم وغیرہ ہیں۔انہیں مشائخ میں خوش دہان کا بھی شمار ہوتا ہے۔جن کی فارسی تصانیف معرفت السلوک کو کافی شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔جس میں انہوں نے اپنے پیر ومرشد کے اجتہاد اور نظام سلوک کو دل نشین پیرائے میں بیان کیا ہے۔تصوف اور سلوک کی اصطلاحیں آپ کے پیر ومرشد اور میرانجی شمس العشاق کی وضع کردہ ہیں جس کو انہوں نے اپنی کتاب ارشاد نامہ، کلمۃ الحقائق اور مغز مرغوب اور چھار شہادت میں بیان فرمایا ہے یہ کتاب دکنی اور فارسی نظم ونثر میں ہے۔ آپ نے فارسی زبان میں اس کو ترتیب دے کر مزید تقویت بخشی ہے۔اور سلوک کو منظم اور مرتب کرنے میں اور لوازم وشرائط کی بکھری ہوئی کڑیوں کو جوڑنے، ان میں ربط وتسلسل اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

معرفت السلوک ایک اہم ترین عرفانی تصنیف ہے جو فارسی نثر میں ہے۔خوش دہان نے اس کتاب کو اپنے مرشد کی وفات کے بعد ۹۹۰ھ تا ۱۰۲۶ھ کے درمیان لکھا ہے۔جس میں معروف ترین حدیث عرفانی ’’من عرف نفسه فقد عرف ربّه‘‘ کی توضیح وتشریح کی ہے۔اور یہ کتاب ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے اور ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر قائم ہے وہ یہ ہے واجب الوجود، ممکن الوجود، ممتنع الوجود، عارف الوجود اور واحد الوجود۔مولف نے جملہ ’’من عرف نفسه‘‘ کو اول الذکر چار وجودات میں تقسیم کردیا ہے جو عبودیت کے متعلق ہے۔اور جملہ ’’فقد عرف ربه‘‘ کو مرحلہ پنجم یعنی واحد الوجود میں توضیح دیا ہے جو ربوبیت کے متعلق ہے۔مؤلف نے ہر وجودات کے باب میں ترتیب وار اصطلاحیں اور اذکارات جیسے قلب مضغہ، نفس امارہ، نفس لوامہ، توحید اقوالی، راہ شریعت، ذکر جلی وخفی، مراقبہ، مشاہدہ، فنا، تجرید، تفرید، حال، عاشق، واصل اور تعلیمات چشتیہ جیسے نہ بطون اور تعلیمات قادریہ جیسے تنزلات ستہ کو بھی اس کتاب میں جگہ دی ہے۔یہ کتاب اذکارات اور اصطلاحات سے مزین ہے۔ ہر وجودات میں تقریبا بیس اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔سالک کا روحانی ارتقا ان پانچ وجودات پر مبنی ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے اپنے اشعار سے اور دیگر شعرا کے شعر سے بھی استفادہ کیا ہے۔جو حافظ شیرازی، عطار نیشاپوری، شمس مغربی تبریزی اور مسعود بک بخاری کے ہیں۔اس کے علاوہ صوفیا وعرفا کے فرمودات واقوال جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں۔جیسے شبلی، بسطامی، علی ہجویری، حسین ابن منصور حلاج، محی الدین ابن عربی، عین القضاۃ ہمدانی، میرانجی شمس العشاق، برہان الدین جانم وغیرہ۔خوش دہان نے اس کتاب میں اپنی اور اپنے دور کے نامور صوفیائے کرام اور اپنے پیر ومرشد کی کتابوں سے مزید استفادہ کیا ہے۔جیسے مغز مرغوب وچھار شہادت، کلمۃ الحقائق، ارشاد نامہ، رسالہ جام جہاں نما اور رسالہ محمود خوش دہان وغیرہ۔

معرفت السلوک کی عبارت مقفی اور مسجع ہے۔مؤلف نے کتاب میں احادیث نبوی (ﷺ)، آیات قرآنی اور اصطلاحات صوفیاء سے بھی استفادہ کیا ہے۔اور مصنف نے پند ونصیحت کے قالب میں اس کتاب کو لکھا ہے جیسا کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی سے مخاطب ہے اور کئی بار یہ لفظ اے سالک! اور اے رفیق! سے یاد کیا ہے۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس دور میں یہ روش عارفوں اور صوفیوں میں رائج تھی کہ اپنی کتابوں میں شاگردوں اور مریدوں کو اے رفیق!، اے سالک!

جیسے القابات سے مخاطب کرتے تھے۔جیسا کہ خوش دہان معرفت السلوک میں لکھتے ہیں:

''اے سالک!واجب الوجود وجود خدائے تبارک وتعالی است کہ قائم است ابدالابد بہ ذات خود کہ او را تغیر وتبدیل نباشد وحدوث وفنا بروی روانہ بود''۔

معرفت السلوک کے معروف ہونے کا سبب ایک یہ بھی ہے کہ یہ کتاب نسخے کی شکل میں ہند اور بیرون ہند کے تمام کتب خانوں اور میوزیم میں موجود ہے۔مثلا: کتب خانہ نور بخش (خانقاہ نعمت اللھی)، تہران، کتب خانہ عمومی حضرت آیت اللہ العظمی گلپایگانی (قم)، ایران۔جمعہ مجید مرکز برائے فرہنگ وثقافت، دوبئی متحدہ عرب امارات، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان کتب خانہ منظور الحق صدیقی، پاکستان، کتب خانہ ومرکز تحقیقات حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد، گجرات، کتب خانہ مجیبیہ بدریہ، خانقاہ پھلواری شریف، پٹنہ بہار، کتب خانہ مخطوطات قدیم ومرکز تحقیقات (او۔ایم۔ایل) حیدرآباد، کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد، کتب خانہ سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، کتب خانہ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، نظامیہ طبی کالج لائبریری حیدرآباد، رام پور رضا لائبریری، اتر پردیش، دار المصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڑھ، ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، میکروفیلم نور انٹرنیشنل سینٹر، ایران کلچر ہاوس، نئی دہلی۔

معرفت السلوک کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ حیدرآباد کے معروف صوفی ولی اللہ قادری نے اپنے والد سید حبیب اللہ قادری کے حکم سے ۱۱۴۰ھ میں دکنی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ ابھی تک چھپا نہیں ہے۔ڈاکٹر محی الدین قادری ''زور'' کے مطابق عہد آصف جاہی میں دکنی نثر میں پہلی کتاب ہے۔معرفت السلوک کے تراجم ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں مثلا او۔ایم۔ایل لائبریری، حیدرآباد، نظام ٹرسٹ لائبریری، حیدرآباد، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد اور انجمن ترقی اردو ھند، نئی دہلی وغیرہ۔

اس کتاب کے مقبول ہونے کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ یہ تین بار زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔دو بار تو مطبع منشی نولکشور لکھنؤ سے پہلی بار ماہ ذی الحجہ ۱۲۹۱ھ مطابق اکتوبر ۱۸۸۲ عیسوی میں دوسری بار شعبان ۱۳۱۵ھ مطابق جنوری ۱۸۹۸ عیسوی میں اور تیسری بار ۹-۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ عیسوی میں لاہور، پاکستان سے طبع ہوئی۔

پس دقیق مطالعہ کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی بحث فلسفی، عرفانی، فقہی اور اخلاقی ہے۔اور مصنف کا ہدف وحدت الوجود کا دفاع اور نشر کرنا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف عقیدہ وحدت الوجود کا قائل ہے اور فلسفہ ابن عربی کا معتقد ہے۔یہ کتاب سلسلہ چشتیہ اور قادریہ مکتب فکر کے لیے منبع اور ماخذ کے طور پر مفید ثابت ہوگی۔اور یہ سلوک اور سالک کے لئے مشعل راہ ہے جو خود شناسی اور خدا شناسی پر بہترین کتاب ہے۔

منابع ومآخذ:

مآخذ فارسی :

(۱) خوش دہان محمود، رسالہ معرفت السلوک، مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۸۹۸ عیسوی

(۲) خوش دہان محمود، معرفت السلوک نسخہ خطی کتب خانہ دکتر ذاکر حسین دہلی نو.

(۳) قادری محی الدین مجمع الانساب نسخہ خطی کتب خانہ گچی محل، بیجاپور

(۴) زبیری محمد ابراہیم، تاریخ بیجاپور مسمی بہ بساتین السلاطین، مطبع سیدی، حیدرآباد ۱۳۳۴ ہجری

(۵) ابراہیم محمد، روضۃ الاولیاء بیجاپور، نسخہ خطی شمارہ ۲۶۶ کتابخانہ او۔ ایم۔ ایل۔ حیدرآباد، ۱۳۱۰ ہجری

(۶) انوشہ حسن، دانشنامہ ادب فارسی جلد چہارم، نشر وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران

(۷) نوشاہی عارف، کتاب شناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ جلد اول، میراث مکتوب ۲۰۱۲ م

مآخذ اردو :

(۱) تصوف برصغیر میں (مقالات) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۵ عیسوی

(۲) زور قادری محی الدین، دکنی ادب کی تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاوس، علی گڑھ ۲۰۱۶ عیسوی

(۳) قادری سیف اللہ، ترجمہ روضۃ الاولیاء، صبغۃ اللٰھی، حیدرآباد دکن ۱۳۱۴ھ عیسوی

(۴) عبدالجبار محمد، تذکرہ اولیاء دکن، اسٹوڈنٹ بک ہاوس چارمینار، حیدرآباد ۱۳۳۲ھ عیسوی

(۵) شاہد حسینی ڈاکٹر، سید شاہ امین الدین علی اعلیٰ حیات اور کارنامے، انجمن ترقی اردو، آندھرا پردیش۔ ۱۹۷۳ عیسوی

(۶) ہاشمی نصیر الدین، دکن میں اردو، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی،

(۷) احمد بشیر الدین، واقعات مملکت بیجاپور، رائچور، حیدرآباد دکن ۱۹۱۴ عیسوی۔

(۸) قاسم فرشتہ محمد، تاریخ فرشتہ، المیزان ناشران وتاجران کتب، لاہور ۲۰۰۸ عیسوی

(۹) خوش دہان محمود، رسالہ محمود خوش دہان بیجاپوری مرتبہ حمید الدین شاہد، ایوان اردو کراچی ۱۶۹۱ عیسوی

(۱۰) شمس العشاق میرانجی، مغز مرغوب وچھار شہادت، مرتبہ محمد ہاشم علی، حیدرآباد اردو اکیڈمی، حیدرآباد ۱۹۶۶ عیسوی

(۱۱) جانم برہان الدین، کلمۃ الحقائق مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی، ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد ۱۹۶۱ عیسوی۔

(۱۲) جمیل جالبی ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اول، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی ۲۰۱۹ عیسوی

(۱۳) جامع اردو انسائیکلوپیڈیا، جلد اول، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۳ عیسوی

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

قند پارسی

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

لمحہ لمحہ روزگارے یاد می آید مرا ❁ ماندنِ ما با نگارے یاد می آید مرا
موسمِ ابرِ بہارے یاد می آید مرا ❁ ساقی مستانہ وارے یاد می آید مرا
بادِ صبح و ساقی و مینا و میخواران و مئے ❁ بزمِ عیشِ خوش گوارے یاد می آید مرا
یاد باد اے شب گزاران در شبِ صہباؤ مئے ❁ صحبتِ شب زندہ دارے یاد می آید مرا
بر امیدِ جُرعۂ در میکدت ہر شب مرا ❁ اوفتادہ در خمارے یاد می آید مرا
بوئے تو پایندہ باشد تازہ باشی ہر زمان ❁ اے گل از تو گل عذارے یاد می آید مرا
بوئے گل چون می دہد گاہے مرا پیراہنم ❁ صحبتِ آن گل عذارے یاد می آید مرا
آمدن در لشکرِ جان بہرِ روزِ ناتوان ❁ ہر دمم آن شہسوارے یاد می آید مرا
با تجمل در دلم با جامۂ محبوبیت ❁ جاذبِ دل تاجدارے یاد می آید مرا
گوشۂ چشمش مرا بے ہوش کردن از نگہ ❁ غمزۂ آن چشمِ یارے یاد می آید مرا
عقدہ در کارم چو در افتاد اکنون گہہ مرا ❁ آن دم آن حاجت برارے یاد می آید مرا
چشمِ رحمت گفتگو شیرین تبسم زیرِ لب ❁ مرہمے بر دل فگارے یاد می آید مرا
منّت آن خطہائے خورشید یکہ زان وابستہ ام ❁ لحظہ لحظہ بارے بارے یاد می آید مرا
دیدہ وا پیشِ رخِ او دل بسوز و لب خموش ❁ ایستادہ اشک بارے یاد می آید مرا
در شبِ اندوہ و عُسرت بر درِ حاجت روا ❁ نالۂ بے برگ و بارے یاد می آید مرا

از گریبانم چہ می پرسی تو اے دستِ جنون ❁ پارۂ از چند تارے یاد می آید مرا
انس کے تخت دلم را گہہ شود باغیرِ او ❁ تا ہنوز ان شاہوارے یاد می آید مرا
غم مکن غمگین دل بہرِ سکونِ غمزدہ ❁ وعدۂ آن غم گسارے یاد می آید مرا
محملش در گرد راہِ کاروان دیدم چنان ❁ ماہ ہم چون در غبارے یاد می آید مرا
اے نسیمِ صبح خیزت از کجا آئی بمن ❁ بوئے یارم زان دیارے یاد می آید مرا
عکسِ او پایندہ ثاقبؔ باد در آئینہ ام ❁ کان ہمین از یادگارے یاد می آید مرا

شکر آن نازک پسندے ما کہ گفتہ ثاقبؔم
دل سپارے جان نثارے یاد می آید مرا

✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲ ✲

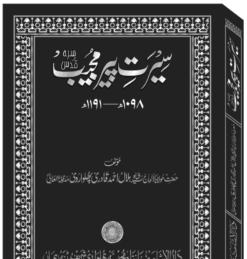

سیرتِ پیر مجیب قدس سرہ

(جدید ایڈیشن مع اضافہ)

مؤلف

حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

خانوادۂ مجیبیہ کے ایک نکتہ سنج، دقیقہ رس، ذی وقار عالم عمدۃ المتوکلین حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز گرانقدر تالیف ہے، جس میں بانئ خانقاہ مجیبی حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ کے علمی وعرفانی کمالات، دینی خدمات، ارشاد و ہدایت، تربیت وتزکیۂ نفوس کے طریقے، خانقاہ مجیبی کی خصوصیات، حضرت کے کرامات وتصرفات، خلفاء ومجازین اور ہم عصر علماء ومشائخ کے حالات نہایت احسن پیرایے میں تحریر کئے گئے ہیں یہ کتاب خانقاہ کے بزرگوں کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے انمول تحفہ ہے، جو بہت ساری نادر ونایاب کتب ورسائل اور قلمی نسخہ جات کا جامع مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک اہم تاریخی دستاویز کے ساتھ ساتھ واقعات وحالات کا ایک دلچسپ مرقع بھی ہے، جسے ترتیب دے کر مؤلف نے قارئین ومستفیدین پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ پوری کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے، جس کے ہر باب کے اندر کثیر معلومات اور ان گنت شواہد کے ذخائر موجود ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر مستند تاریخ، جامع سوانح ہے، جو دیدہ زیب طباعت اور خوشنما سرورق سے مزین 480 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قیمت محض -/400 روپے ہے۔ دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے آج ہی حاصل کیجئے اور اپنی معلومات میں اضافہ کیجئے۔

رابطہ : +91-7250433562, 7903953313

نعت شریف

- امیر شریعت ثالث مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قمر طلعت قدس سرہ
- ترجمۂ منظوم : مولانا محمد عاصم قادری—خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

نعت شریف

تر زباں گشتہ ایم از عمرے
در نوائے تو یا رسول اللہ ﷺ
قبلۂ جان و دل نمی دارم
جز سرائے تو یا رسول اللہ ﷺ
وقت آخر مباد محرومی
از لقائے تو یا رسول اللہ ﷺ
تاج عرفان و عز و جاہِ من است
نقش پائے تو یا رسول اللہ ﷺ
مدعایم دہد خدائے مجیب!
از دعائے تو یا رسول اللہ ﷺ
یک جوابِ سلام ہم شنوم
از صدائے تو یا رسول اللہ ﷺ
صد تحیت برآں کساں کہ بودند

ترجمۂ منظوم (نعت شریف)

تر زباں ہم ہیں ایک مدت سے
پڑھ کے نعتوں کو یا رسول اللہ ﷺ
قبلۂ جان و دل، نہیں ہے مرا
آپ کے جز سرا، رسول اللہ ﷺ
وقت آخر نہ ہوئے محرومی
آپ کی ہو لقا، رسول اللہ ﷺ
تاج عرفان و عز و جاہ ہے مرا
آپ کا نقش پا، رسول اللہ ﷺ
مدعا دے مرا خدائے مجیب!
آپ کی ہو دعا، رسول اللہ ﷺ
اک جوابِ سلام ہم بھی سنیں
آپ کی ہو صدا، رسول اللہ ﷺ
صد تحیت ہو ان پہ بھی، جن پر

در ردائے تو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جان و ایمان و مال و فرزندم
ہم فدائے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
روشنیِ چراغ خانۂ دل
از ضیائے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رہنمائے رہِ سلوک قمر
نقش پائے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
برسرم تاج عز و جاہِ بلند
کفش پائے تو یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رہنمائے سلوک من باشد
نقش پائے تو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ کی تھی ردا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جان و ایمان و مال؛ جو کچھ ہے
آپ پر ہے فدا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دل کے گھر کا چراغ روشن ہے
آپ سے ہے ضیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رہنما ہے رہِ سلوک قمر
آپ کا نقش پا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جاہ و عزت کا ہے مرے سر، تاج
آپ کی کفش پا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رہنمائے سلوک ہو میرا
آپ کا نقش پا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

٭٭٭٭٭٭٭٭٭

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ’’المجیب‘‘ میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں ——(ادارہ)

غزل

● وارث ریاضی— کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

ضرورتوں پہ وہ مجھ کو سلام کرتے ہیں ❁ مرے عزیز مرا احترام کرتے ہیں
وہ جن کے لطف کرم سے ہے زندگی کا بھرم ❁ انہیں کی یاد میں ہم صبح و شام کرتے ہیں
حقیقتوں سے تعلق نہیں رہا، لیکن ❁ تصورات میں دل شاد کام کرتے ہیں
وفا کے نام سے ان کو بڑی عداوت ہے ❁ مگر جفا کے لیے اہتمام کرتے ہیں
جو بات کہنی ہو وہ آپ برملا کہیے ❁ یہ کیا اشاروں میں ہم سے کلام کرتے ہیں؟
نہ تیر کی ہے ضرورت نہ تیز خنجر کی ❁ نگاہِ ناز سے وہ قتل عام کرتے ہیں
وہی ہیں دشمن مہر و وفا حقیقت میں ❁ جو قصرِ امن و اماں انہدام کرتے ہیں
ہر ایک شخص سے ملتے ہیں ہم محبت سے ❁ اسی لیے تو عدو بھی سلام کرتے ہیں
ستم کا مہر و وفا سے جواب احسن ہے ❁ اگر اطاعتِ خیر الانامؐ کرتے ہیں

ملا ہے ہم کو اماں جس پیام میں وارثؔ
وہی پیام زمانے میں عام کرتے ہیں

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت

● ڈاکٹر قاضی عبدالوارث —— نیو عظیم آباد کالونی، پٹنہ

لکھ رہا ہوں میں داستانِ مجیبؒ ❁ ماہتاب اور کہکشانِ مجیبؒ
خانقاہ مجیبیہ ہے نام ❁ ہے ضیا باریاں پہ شانِ مجیبؒ
آپ کا فیض عام ہے سب کو ❁ ہو کہن سال یا جوانِ مجیبؒ
ہیں نظامؒ اور قمرالدینؒ ❁ قابل فخر زاہدانِ مجیبؒ
عون احمدؒ ہیں، عین احمدؒ ہیں ❁ ہیں سبھی اہلِ خاندانِ مجیبؒ
حضرتِ فردؒ اور بدرالدینؒ ❁ ہیں نمائندۂ فیضانِ مجیبؒ
حضرتِ نصرؒ اور محی الدینؒ ❁ صوفیا مظہرِ عرفانِ مجیبؒ
چشمۂ فیض ہیں امان اللہؒ ❁ قابل فخر خاندانِ مجیبؒ
شاہ رضوانؒ اور ہلال احمدؒ ❁ نجم اور نیرِ تابانِ مجیبؒ
یا الٰہی یہ آرزو ہے مری ❁ شاہِ آیت[1] رہیں نشانِ مجیبؒ

میری قسمت ہو اوجِ پر وارثؔ
میں بھی بن جاؤں مدح خوانِ مجیبؒ

---

[1] متعنا اللہ بفیوضاتہ

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❖ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی.......................کچھ دوسروں کی

فیفا ورلڈکپ ۲۰۲۲ء :

فیفا ورلڈکپ ۲۰۲۲ء قطر میں چل رہا ہے۔ یہ فٹ بال کا مشہور ورلڈ کپ ہے۔ مسلم ممالک میں یہ پہلی بار منعقد ہو رہا ہے۔ قطر نے اس کے لئے سالہا سال سے تیاری کی ہے۔ اس میں قطر نے ۲۲۰ر بلین ڈالر سے زیادہ کی سرمایہ کاری کی ہے۔ اب تک جتنے ورلڈکپ ہوئے ہیں ان کی مجموعی سرمایہ کاری سے زیادہ قطر نے تنہا اس ورلڈکپ میں سرمایہ کاری کر دی ہے۔ یہ ۲۸ر دن کا ورلڈکپ ہے۔ قطر کی نصف آبادی کے قریب تماشائی باہر سے قطر میں موجود ہیں۔ قطر کی حکومت نے ان کی مہمان نوازی کا پورا انتظام کیا ہے۔ ان کے لئے قیمتی تحائف رکھے ہیں۔

تمام طرح کی تیاریوں کے ساتھ قطر نے اپنے مذہب، اپنی ثقافت اور اپنی تہذیب سے روگردانی نہیں کی ہے۔ عورتوں پر پابندی لگادی کہ لباس تہذیب کے دائرے میں ہونا چاہئے۔ کندھے اور گھٹنے ڈھکے ہوئے ہونے چاہئے، خلاف ورزی کرنے پر بھاری جرمانہ عائد ہوگا۔ حکومت کے ایک افسر نے صراحت سے کہہ دیا کہ ہم ۲۸ر دن کے ورلڈکپ کے لئے اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہم جنس پرستوں کے ترجمان جہاز کو دوحہ میں اترنے سے روک دیا گیا۔ اسٹیڈیم میں شراب لانے پر پابندی ہے۔ شراب کے اشتہارات پر بھی پابندی لگادی گئی ہے۔ اسرائیل کے باشندوں کو فلسطینی شہری کی حیثیت سے داخلہ کی اجازت ملی ہے۔ ورلڈکپ کی افتتاحی تقریب میں رجب طیب اردگان صدر ترکیہ، محمد بن سلمان ولی عہد سعودیہ، شاہ اردن، نائب صدر جمہوریہ ہند اور دیگر عالمی رہنما شریک ہوئے۔ امیر قطر شیخ تمیم بن حمد آل ثانی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

اس ورلڈکپ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ورلڈکپ کے آغاز سے پہلے یکم نومبر سے ہی مختلف قسم کے تہذیبی وثقافتی پروگرام چل رہے تھے۔ان پروگراموں میں اسلامی داعیوں کے پروگرام بھی منعقد ہوئے۔ ان میں موصولہ خبروں کے مطابق کافی افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔قطرکی شاہراہوں پر اسلامی تعلیمات خصوصا امن وامان اور دوسروں کی ہمدردی خیرخواہی سے متعلق احادیث بڑے بڑے بینروں پر آویزاں کی گئی ہیں۔اس سے لوگ متاثر ہورہے ہیں۔اس طرح دنیا بھر سے آنے والے فٹ بال کے شائقین اسلام کی تعلیمات سے واقف ہورہے ہیں اور اسلاموفوبیا سے متاثر افراد کا ذہن صاف ہورہا ہے۔سعودی ٹیم ارجنٹائن سے جیتنے کے بعد اور مراکش کی ٹیم بیلجیم سے جیتنے کے بعد کرکٹ کے میدان میں ہی سجدہ ریز ہوگئی۔اللہ تعالی حکومت قطر کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ایسے وقت میں جب اسلامی ممالک میں اسلام بیزاری اور عریانیت کی وبا پھیل رہی ہے قطر والوں کے یہ دعوتی انداز کے کام مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جس طرح پوری دنیا میں قطر کی تہذیب وثقافت کا ذکر خیر ہورہا ہے،اس سے کہیں زیادہ قطر میں عالمی فٹ بال کے انعقاد سے یورپ اور مغربی میڈیا میں ہنگامہ برپا ہے،فٹ بال مقابلہ کی شروعات کو ہفتہ عشرہ گذر چکا ہے،مگر تنقیدوں کا سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے،عالمی مقابلہ شروع ہونے سے دو دن قبل فیفا کے صدر گیانی انفینٹینو نے مغربی تنقیدوں کے تناظر میں پریس کانفرنس کے دوران جو باتیں کہیں وہ مغرب کے لیے تازیانۂ عبرت تھا،امید تھی کہ اس کے بعد مغربی میڈیا میں قطر پر تنقیدوں کا سلسلہ بند ہوجائے،مگر آئینہ میں تصویر دیکھنے کے بجائے تنقیدوں میں مزید جارحانہ انداز پیدا ہوگیا،دنیا بھر میں قطر کے خلاف پروپیگنڈے کیے گئے اور چھوٹے سے کمزور ملک کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر قطر کی میزبانی سے مغرب کو پریشانی کیا ہے؟ قطر نے حقوق انسانی کے حوالے سے کن جرائم کا ارتکاب کیا ہے؟ کیا قطر نے عالمی فٹ بال کی میزبانی کے حصول کے لیے رشوت دی تھی؟ آخر قطر کے ساتھ اس قدر جارحانہ رخ کیوں اختیار کر رکھا ہے؟ ان سوالوں کا جواب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ دراصل مغرب صدیوں سے نفسیاتی برتری کا شکار ہے،اسے گمان ہے کہ فضیلت و برتری کا وہ اکیلے ہی مستحق ہے،اس کے علاوہ کوئی بھی عالمی مقابلہ کی میزبانی اور انتظام وانصرام نہیں کرسکتا ہے،ایک مشہور شامی ناول نویس خاتون مغربی میڈیا کی تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ''اگر یہ عالمی مقابلہ کسی غیر عرب ملک میں ہوتا تو شاید مغربی میڈیا میں اس قدر ہنگامہ برپا نہیں ہوتا''الغرض یہ بحث مغربی تہذیب بنام مشرقی تہذیب کی جنگ میں تبدیل ہوگئی ہے اور تمام تنقیدیں مغربی تہذیب کی برتری کو ثابت کرنے اور مشرقی تہذیب کو نیچا دکھانے کے لیے کی جارہی ہیں،اس کے تار نسل پرستانہ ذہنیت اور مسلم فوبیا سے بھی ملتے ہیں،اب دیکھنا یہ ہے کہ قطر''عالمی فٹ بال کپ''کے نام پر مغرب اور اس کے میڈیا نے تہذیبی وثقافتی برتری کی جو جنگ چھیڑ دی ہے،وہ کس انجام کو پہنچتی ہے،اس مہم سے دنیا مزید تقسیم کے دہانے پر پہنچ جائے گی یا پھر قطر کے اسٹیڈیم سے معذور قطری نوجوان کا پیغام دنیا کو تہذیبی وثقافتی جنگ سے نکال کر بقائے باہمی کی طرف لے جائے گا۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الثانی :

۱۹/ جمادی الثانی عرس صاحب المقام الاویسیہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹/ تاریخ کو نماز عصر کے بعد قل ہوتا ہے۔

۲۰/ جمادی الثانی عرس بانیٔ خانقاہ و دارالعلوم مجیبیہ حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹/ دن گزار کر شب ۲۰/ اور روز ۲۰/ کو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رجب المرجب :

۶/ رجب کو فاتحہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ ــــ بعد نماز عصر قل ہوتا ہے۔

رجب کی ستائیسویں شب میں معراج کی مناسبت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک ہوتا ہے اور شب میں چراغاں ہوتا ہے۔ خانقاہ اور آستانہ اس رات شب معراج کی یاد میں چراغوں سے بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔ بعد نماز عشاء قل اور بعدہٗ محفل سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ شعبان المعظم :

۲۶/ شعبان کو حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے وصال کی تاریخ میں فاتحہ اور بعد نماز عصر میلاد شریف ہوتا ہے۔ حضرت کا عرس ان کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۹/ جمادی الاولیٰ کو ہوتا ہے۔

۲۹/ شعبان کو شب ۲۹/ اور روز ۲۹/ حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب انجام دی جاتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رمضان المبارک :

عرس حضرت مولائے کائنات سیدنا امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰/ رمضان المبارک کو بعد نماز ظہر زیارت موئے مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وموئے مبارک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ ۲۰/ دن گزار کر شب ۲۱/ کو قل اور مجلس ہوتی ہے۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

مسودہ دیجئے................کتاب لیجئے

صائمہ پبلی کیشن

احمد مارکیٹ، لنگر ٹولی دریاپور، پٹنہ۔۴

Saima Publication

اچھی کمپوزنگ، سرورق کی ڈیزائنگ
عمدہ طباعت و مستحکم بائنڈنگ کے لئے
آپ اپنے مسودے ہمارے حوالے کریں
کم خرچ پر آپ کی تصنیفات کی جلد اشاعت کا
صائمہ پبلی کیشن وعدہ کرتا ہے۔

رابطہ۔ 8987063281

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :62
October to December 2022
Sl.No. : 04
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Cell : +91-7250433562, 7903953313, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

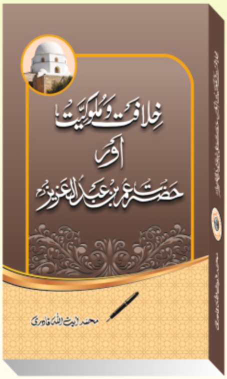

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی فخریہ پیش کش

خِلافت و مُلوکیّت اور حضرت عمر بن عبد العزیز

تالیف منیف

جناب حضور الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی

زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

نہایت مستند، محقق اور عصر حاضر کی یکتا و یگانہ تصنیف ہے، خلافت وملوکیت اور امارت اسلامی پر نہایت چشم کشا تحریر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف ومنہج کی طرف مکمل رہنمائی کرنے والی تالیف ہے۔

یہ معرکۃ الآراء کتاب دس ابواب پر منقسم ہے، ابتدائی چار باب بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں خلافت کی حقیقت، خلافت کی تعریف، خلیفہ کے لئے ضروری اوصاف وکمالات، انعقاد خلافت کے لئے قریشیت کی شرط، نصب خلیفہ کے اسلامی طریقے، خلافت وملوکیت میں فرق، خلیفہ کے اختیارات، خلافت کے فرائض اور ذمہ داریاں، خلافت علی منہاج النبوۃ کے خاتمے کی وجوہات، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگیں، حضرت امیر معاویہ کا اقتدار اور ان کا یزید کو جانشین منتخب کرنا وغیرہ جیسے عناوین وموضوعات پر حضرت مؤلف گرامی مدظلہ العالی نے بھرپور داد تحقیق دی ہے۔

بقیہ چھ ابواب میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح اور ان کے مقام ومرتبت کو حسین ودلکش پیرایے میں مستند ومعتبر حوالوں کے ساتھ منصۂ شہود پر لایا گیا ہے، اس طرح سے یہ کتاب سوانح نگاری کے اعلیٰ اصول پر گامزن ہو کر ایک مکمل تاریخی دستاویز کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

یہ کتاب ۴۲۴ رصفحات پر مشتمل ہے جس کی قیمت مبلغ -/400 روپے ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ سے حاصل کر کے استفادہ کریں۔

رابطہ : +91-7250433562, 7903953313

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)